پورس کے ہاتھی

نسیم حجازی



دوسرے عام بچوں کی طرح بچپن میں میں بھی جاسوسی اور رومانی ناول پڑھا کرتا تھا لیکن جب پہلی بار نسیم حجازی صاحب کا ناول "یوسف بن تاشفین" پڑھا تو میں نے پھر کبھی دوسری ناولوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں ان کی تمام ناول بار بار پڑھتا تھا اور اکثر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ ان کی تحریر میں جو دل میں چھبنے والی سچائی اور درد تھا، وہ کسی اور ناول نگار کی تحریر میں نہ تھا۔ ان کے ناول پڑھ کر میں ہمیشہ یہی دعا مانگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس قابل بنا دے کہ میں بھی آگے چل کر ان مجاہدینِ اسلام کی طرح اپنے مذہب، ملک اور مسلمانوں کی خدمت کر سکوں ....

یوں تو پاکستان کی تعمیر میں سر سید احمد خانؒ، قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ، لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، راجہ صاحب محمود آباد، نواب اسمٰعیل خان، نواب بہادر یار جنگ اور دوسرے لاکھوں مسلمانانِ ہند کا بڑا ہاتھ ہے، لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ نوجوانانِ اسلام کے دلوں کو گرمانے، ان کے جسم میں آگ بھرنے اور ان کو پاکستان کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنے میں نسیم حجازی صاحب کے ناولوں نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کی تحریروں سے یہ احساس ہو جاتا ہے کہ پاکستان کے وجود کے خواب و خیال یا اس کے تقاضے سے کہیں پہلے پاکستانی تھے۔ ان کا دل پاکستان کی محبت، اسلام اور مسلمانوں کی محبت میں تڑپتا رہتا تھا۔

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی تھی کہ نسیم حجازی صاحب کے بعض مشہور ناول، بنگالی، سندھی اور عربی زبان میں شائع ہو چکے ہیں لیکن کاش! یہ حیات افروز لٹریچر ۲۵ سال پیشتر انگریزی اور دوسری اہم زبانوں میں شائع ہو چکا ہوتا اور پاکستان کے ذرائع ابلاغ قوم کے اس قابلِ فخر سرمایہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے .... میں آج بھی ماضی کی اس کوتاہی کو ایک قومی فریضہ سمجھتا ہوں اور ملک کے اہلِ نظر حضرات کو اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں!

میں نوجوانانِ پاکستان سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ نسیم حجازی صاحب کے تمام ناول بالخصوص "اور تلوار ٹوٹ گئی" "آخری چٹان" "شاہین" "خاک اور خون" "یوسف بن تاشفین" "محمد بن قاسم" وغیرہ ضرور پڑھیں اور اپنی سنہری تاریخ کے سبق آموز واقعات سے واقفیت حاصل کریں اور ملک اور قوم کی صحیح خدمت کرنے کا جذبہ پیدا کریں ....

ڈاکٹر عبدالقدیر خان
کہوٹہ، راولپنڈی

پورس کے ہاتھی

نسیم حجازی

پبلشنگ کلب گوجرانوالہ

مصنف .... نسیم حجازی

ناشر .... ریاض اے۔ شیخ (ایڈووکیٹ)

مطبع .... نیاز جہانگیر پرنٹرز، لاہور

قیمت .... 100 روپے

.... شاکسٹ

جہانگیر بک ڈپو، اردو بازار لاہور۔ 7220879 (042)

جہانگیر بکس، اقبال روڈ، راولپنڈی۔ 539609 (051)

پیش لفظ

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو طلوعِ سحر کے ساتھ برہمنی فاشزم کا عفریت اپنی تمام عریانیوں کے ساتھ پاکستان کی سرحدوں پر نمودار ہوا تھا۔ اور ہم اُس آتشیں سیلاب کا سامنا کر رہے تھے جو اٹھارہ سال سے بھارت ماتا کے سینے میں کروٹیں لے رہا تھا۔

ہندوستان کے برہمنی سماج کے نئے معمار اس اُمید اور یقین کے ساتھ میدان میں آئے تھے کہ وہ اپنے جنگی وسائل کے بل بوتے پر آج پتھر کے زمانے کی تاریخ دہرا سکتے ہیں۔

پھر یکایک زمانے کی نگاہیں آگ کے شعلوں، دھوئیں اور گرد کے بادلوں میں اس ملت کے چہرے کی تابانیاں دیکھ رہی تھیں جس کے پُرشکوہ ماضی کی تاریخ کے اوراق دیبل اور سومنات سے لے کر پانی پت کی رزم گاہوں تک بکھرے ہوئے ہیں۔

فرزندانِ اسلام کی تاریخ کا معجزہ صرف یہی نہیں تھا کہ پاکستان پر حملے سے چند گھنٹے بعد متوجی کے بھیڑیے اپنے زخم چاٹ رہے تھے بلکہ اس سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ جنگ کے پہلے دھماکے کے ساتھ ہی وہ اجتماعی احساس بیدار ہو چکا تھا جس نے پاکستان کے دس کروڑ عوام کو ایک ملت اور ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا تھا اور بے نشان راستوں پر بھٹکنے والے مسافر ایک منظم قافلے کی صورت میں، ناقابلِ تسخیر عزائم اور حوصلوں کے ساتھ اس جادۂ مستقیم پر گامزن ہو گئے تھے جس کے گرد و غبار میں اُن کے ماضی کی عظمتیں پوشیدہ تھیں۔

یہ راستہ جس قدر کٹھن تھا اسی قدر کاروانِ ملت کے حوصلے ناقابلِ تسخیر تھے تاریکی

جس قدر زیادہ تھی اُسی قدر اُن کے ضمیر کے چراغ روشن تھے اور دشمن کو جس قدر اپنی قوت پر ناز تھا اس سے کہیں زیادہ پاکستان کے جانبازوں کو اللہ کی نصرت پر بھروسہ تھا۔ "پورس کے ہاتھی" ان بنیوں اور برہمنوں کے سامراجی عزائم کی شکست کی داستان ہے جنہوں نے اٹھارہ سال کی تیاریوں کے بعد پاکستان کو ایک اور جونا گڑھ یا حیدر آباد سمجھ کر حملہ کیا تھا۔ یہ ایک ڈرامہ ہے اور اس کے کردار بھارت کے وہ چھوٹے اور بڑے منتری ہیں جو اقوامِ عالم کے سامنے اس جنگ کی ذمہ داری قبول کرنے سے پہلے اپنے ننگے اور بھوکے عوام کو اپنے سیناپتی کی عظیم فتوحات کی خبریں سنا رہے تھے۔

جنگ کے ابتدائی ایام میں جب میں نے چند صفحات کا ڈرامہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا تو مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ بھارت کے پہلے بکتر بند ڈویژن کے ٹینکوں کا نشان "کالا ہاتھی" ہے میں نے صرف سیالکوٹ کے محاذ پر بھارتی ٹینکوں کی تباہی سے متاثر ہو کر انہیں پورس کے ہاتھیوں سے تشبیہ دی تھی لیکن جب اخبارات میں بھارت کے "کالے ہاتھیوں" کی تصویریں شائع ہونے لگیں تو میں بدلتے ہوتے حالات کے آئینے میں بھارتی سیاست کا مدوجزر دیکھ رہا تھا اور ایک ایکٹ کا مختصر سا ڈرامہ ایک کتاب کا پیش خیمہ بن چکا تھا

اس ڈرامے میں بھارتی جارحیت کی کہانی بھارت کے اُن بنیوں کی زبانی بیان کی گئی ہے جو جنگ کو بھی ایک سود مند تجارت سمجھتے ہیں۔

آج سے رُبع صدی قبل "انسان اور دیوتا" لکھتے ہوئے میں نے برہمن کی رُوح کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی اور مجھے نفرت اور ظلم کی آگ کے وہ مہیب الاؤ دکھائی دئے تھے جہاں شُودر کی ہڈیوں سے ایندھن کا کام لیا جاتا ہے۔ پھر قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ قبل "سو سال بعد" شائع ہوئی۔ یہ اس بھارت پر ایک طنز تھی

جس کے مستقبل کے خاکے منوجی کے نئے چیلوں کے ذہن میں تیار ہو رہے تھے۔ میں حقیقت مریخ کی بلندیوں سے چند قہقہے لگا کر وہ بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا جو میں نے "انسان اور دیوتا" لکھتے وقت اپنے دل پر محسوس کیا تھا، لیکن پھر یکایک ملک کی تقسیم کے ساتھ بھارت کے سینے سے وہ جوالا مکھی پھوٹ نکلا جس کا دہانہ عدم تشدد کے پردوں میں چھپا ہُوا تھا۔ اور میں ملت کے ان شہیدوں کے خون کی روشنائی سے "خاک اور خون" لکھ رہا تھا جن کی لاشیں پاکستان کی سرحدوں کے پار بکھری ہوئی تھیں۔ "خاک اور خون" آج سے سولہ سال پہلے لکھی گئی تھی اور ان سولہ برس کا کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب بھارت کے برہمنی فاشزم کا عفریت پوری عریانیوں کے ساتھ میری نگاہوں کے سامنے نہ رہا ہو اور میری رُوح کی گہرائیوں سے خاک و خون کے "سلیم" کی چیخیں بلند نہ ہوتی ہوں۔

مجھے بھارت کی عسکری قوت اور جنگی وسائل کا خوف نہ تھا۔ صرف اس بات کا خدشہ تھا کہ ہماری امن پسندی اور عافیت کوشی کہیں ہمیں ان مقدس ذمہ داریوں سے غافل نہ کر دے جو ایک فرد پر اپنے گھر اور ایک قوم پر اپنے وطن کی حفاظت کے سلسلے میں عائد ہوتی ہیں۔

"خاک اور خون" لکھنے کے بعد میں اپنی ملّی تاریخ میں ایک خلا محسوس کر رہا تھا۔ ستمبر کے مہینے کی سترہ دن کی جنگ میں وہ خلا پُر ہو چکا تھا جو اٹھارہ برس سے ہمارے حال کو ہمارے ماضی اور ہمارے مستقبل کو ہمارے حال سے جُدا کئے ہوئے تھا۔ ہمارے طارق اور ہمارے خالد، ہمارے غزنوی اور ابدالی وقت کی پیشانی پر خون کی روشنائی اور سنگین کی نوک کے ساتھ یہ تحریر کر چکے ہیں کہ پاکستان بھارت کے بھیڑیوں کی شکارگاہ نہیں ہے بلکہ اُن دس کروڑ انسانوں کا وطن اور حصار ہے جو اپنی آزادی کی قیمت دینا

جانتے ہیں۔

ایک ناول نگار کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی جیتی جاگتی قوم کے حوصلوں اور ولولوں کی داستانیں لکھے جس کے جانبازوں نے موت کے جبڑوں سے زندگی کی مسکراہٹیں چھینی ہیں۔ چنانچہ گزشتہ تین ماہ سے میں اپنے نئے ناول کے لئے تاریخی مواد جمع کر رہا ہوں اور اس سلسلے میں ان رزم گاہوں کا طواف بھی کر چکا ہوں جن کی خاک ہماری اجتماعی حیات کے چشمے سے نمودار ہوئی تھی اور جہاں جنگ کے ایام میں زمانے کی نگاہوں نے پاکستان کے سپاہیوں کے عزم و یقین کی روشنی میں قدرت کے ان گنت معجزات دیکھے تھے۔ محاذوں کا دورہ شروع کرتے وقت میرا خیال تھا کہ جنگ سے متعلق ضروری مواد جمع کرنے کا کام دو تین ہفتوں میں ختم ہو جائے گا اور میں اطمینان سے ناول لکھنا شروع کر دوں گا لیکن زیادہ جاننے اور زیادہ سمجھنے کے شوق نے ابھی تک مجھے ابتدائی مراحل سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔

ان دنوں فرصت کے اوقات میں برہمنی فاشزم کے عزائم اور ان کی شکست کے متعلق سوچتے ہوئے بسا اوقات میری توجہ بھارت کے اس ننھے نپولین اور بونے ہٹلر پر مبذول ہو جایا کرتی تھی جو جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی اپنا واٹرلو اور سٹالن گراڈ دیکھ رہا تھا۔ اور پھر میں تصور میں دہلی کی سیاسی اسٹیج پر ان کالے بونوں کے ڈرامے دیکھا کرتا تھا جو ۶ ستمبر کو پاکستان پر حملہ کرنے اور ۲۳ ستمبر کو فائر بندی کی خوشی میں ناچ رہے تھے۔

”پورس کے ہاتھی“ امن اور انسانیت کے اس عظیم دشمن کی روح کی گہرائیوں میں جھانکنے کی ایک اور کوشش کا ماحصل ہے —— ایک مختصر اور غیر سنجیدہ تحریر جسے پوری سنجیدگی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ چند قہقہے پاکستان کے ان جیالے سپاہیوں

کے رہینِ منت ہیں جن کی مسکراہٹیں جنگ کے ایام میں پوری قوم کے لئے سرمایۂ حیات بن گئی تھیں۔

یہاں پر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ سانپ بھیس بدل سکتا ہے۔ بل میں گھس سکتا ہے لیکن اپنی سرشت تبدیل نہیں کر سکتا۔ اُسے صرف چوکس اور بیدار انسان کے ہاتھ کی لاٹھی ہی بے ضرر بنا سکتی ہے۔ اور وہ سانپ جو زخمی ہونے کے بعد کنڈلی مار کر دم سادھ لیتا ہے لاٹھی کے بغیر جنگل میں سفر کرنے والے مسافروں کے لئے بسا اوقات پھنکارنے والے سانپ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

پاکستان کے دس کروڑ انسانوں کی اجتماعی حیات کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی آزادی اور بقا کے ازلی دشمن کی حیثیت سے پوری طرح واقف ہوں اور اس کے ناپاک عزائم کو شکست دینے کے لئے ہر وقت بیدار رہیں۔

نسیم حجازی

(لاہور ۱۲ دسمبر ۱۹۶۵ء)

کردار

ڈاکٹر رادھا کرشنن	:	بھارت کا راشٹرپتی (صدر)
لال بہادر شاستری	:	بھارت کا پردھان منتری (وزیرِاعظم)
مسٹر چوہان	:	رکھشا منتری (وزیرِ دفاع)
گلزاری لال نندہ	:	وزیرِ داخلہ
مسز اندرا گاندھی	:	وزیرِ اطلاعات
کرشنم اچاری	:	وزیرِ خزانہ
سبرامنیم	:	وزیرِ خوراک
پاٹل	:	وزیرِ ریلوے
چھاگلہ	:	وِدّیا منتری (وزیرِ تعلیم)
دھنی رام }	:	ساہوکار۔ بلیک مارکیٹر۔ ذخیرہ اندوز
مول چند }	:	اور آل انڈیا کانگرس کے سرپرست جو بھارت کی سیاست میں بنیا ذہنیت کی نمائندگی کرتے ہیں

جنرل چودھری: بھارت کا سیناپتی (برّی افواج کا کمانڈر انچیف)

ایر مارشل ارجن سنگھ: بھارت کی فضائی فوج کا کمانڈر انچیف۔

کرنل پرس رام	:	شاستری کا سیکرٹری

پہلا منظر

بھارت کا وزیرِاعظم لال بہادر شاستری اپنی رہائش گاہ کے ایک کشادہ کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ کتابوں کے شیلف کے اوپر گاندھی اور نہرو کی قدِآدم تصویریں آویزاں ہیں۔ دوسری دیوار کے ساتھ ایک تصویر میں نہرو اور شاستری ایک ساتھ کھڑے ہیں اور دوسری میں شاستری تنہا کھڑا ہے۔ اس تصویر سے نیچے چھوٹے سائز کی چند تصویریں آویزاں ہیں جن میں بھارت کے پردھان منتری کی حیثیت سے شاستری، اپنی کابینہ کے وزراء، کانگرس کے لیڈروں اور نہرو کی کابینہ کے وزراء کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔

ایک دروازے کے اُوپر گھڑیال پر چار بج چکے ہیں۔ شاستری رک کر کبھی ایک اور کبھی دوسری تصویر کی طرف دیکھتا ہے۔ اور پھر ٹہلنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور پریشانی کے آثار نظر آتے ہیں۔ وہ نہرو کی قدِآدم تصویر کے سامنے رکتا ہے۔ پھر جلدی سے مُڑ کر دوسری دیوار کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور آگے بڑھ کر اپنی تصویر

کو فوجی طریقے سے سیلوٹ کرتا ہے اور پھر جلدی سے برابر کے کمرے میں داخل ہو کر ایک قدِ آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھتا ہے اور مسکرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور پھر اپنی گاندھی کیپ اُتار کر بغل میں دبا لیتا ہے اور بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اور ٹوپی دوبارہ سر پر رکھنے کے بعد دھوتی کے بل درست کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد کبھی آئینے سے چند قدم پیچھے ہٹ کر اور کبھی قریب آکر اپنا عکس دیکھتا ہے اور بالآخر اکڑ کر ہٹلر کے انداز میں ایک ہاتھ بلند کرتا ہے۔

شاستری: (اپنے عکس سے) بولو، پردھان منتری لال بہادر شاستری کی جے (ایڑیاں اٹھا کر) تم بولتے نہیں ہو؟ تم بھارت کے پردھان منتری ہو۔ تمہارا نام ننکو نہیں لال بہادر ہے۔ اور کل دنیا کے ہر ریڈیو سٹیشن سے بھارت کے ساتھ تمہارا نام سنایا جائے گا اور پرسوں دنیا بھر کے اخبارات کی بیشتر خبریں تمہاری فتح کے متعلق ہوں گی۔ جے ہند۔ (دوبارہ نازی طریقے سے سلام کرتا ہے اور برابر کے کمرے میں واپس آکر ٹہلنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک سیکرٹری، جس کا رنگ سیاہی مائل۔ قد شاستری سے ایک بالشت لمبا اور عمر ۴۰ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی ہے، کمرے میں داخل ہوتا ہے)۔

سیکرٹری: مہاراج معاف کیجئے! مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ آپ آوازیں دے رہے ہیں۔

شاستری: میں نے تمہیں آواز نہیں دی۔ لیکن اب چار سے اُوپر ہو گئے ہیں اور وہ ابھی تک نہیں آئے۔

سیکرٹری: مہاراج! جنرل چودھری اور ایر مارشل ارجن سنگھ آ گئے ہیں۔ میں نے

انہیں ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔ اب اگر آپ کا حکم ہو تو انہیں یہیں بھیج دوں۔

شاستری: نہیں میں آتا ہوں (سیکرٹری واپس مڑتا ہے) تم ٹھہرو! کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

سیکرٹری: فرمایئے مہاراج!

شاستری: انیسویں صدی میں یورپ کا سب سے بڑا فاتح کون تھا؟

سیکرٹری: نپولین مہاراج!

شاستری: تم جانتے ہو نپولین کا قد کتنا تھا؟

سیکرٹری: مہاراج! مؤرخ تو یہی کہتے ہیں کہ نپولین کا قد چھوٹا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس سوال کا صحیح جواب صرف فرانس کے وہ درزی دے سکتے ہیں جن کے دادا۔ پردادا۔ نپولین کا لباس تیار کیا کرتے تھے۔ لیکن مؤرخ نے نپولین کا قد ناپنے کی جرأت نہیں کی ہوگی۔ نپولین کی تصویر دیکھ کر مجھے اُس کے قد میں کوئی برائی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے دیو قامت جرنیلوں کے مقابلے میں چھوٹا ہو۔

شاستری: مؤرخ غلط نہیں ہو سکتے۔ نپولین کا قد یقیناً چھوٹا تھا۔ بالکل میری طرح۔

سیکرٹری: یہ ہو سکتا ہے مہاراج! لیکن میں بھارت کے مہامنتری کا قد ناپنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

شاستری: میں نے تمہیں یہ نہیں کہا کہ تم میرا قد ناپنا شروع کر دو، صرف ایک عقل کی بات پوچھی تھی۔ میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ عقل کا قد کے ساتھ کوئی تعلق

نہیں۔ نپولین کا قد اگر مجھ سے ایک فٹ کم ہوتا تو بھی مؤرخ یہی لکھتے کہ وہ یورپ کا سب سے بڑا فاتح تھا۔

سیکرٹری: قد کا قسمت کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں مہاراج!

شاستری: (برہم ہو کر) تم یہ کہتے ہو کہ میری قسمت نے مجھے اپنے چھوٹے قد کے باوجود بھارت کا پردھان منتری بنا دیا ہے۔

سیکرٹری: (بدحواس ہو کر) نہیں مہاراج! یہ بھارت کی خوش قسمتی ہے کہ آپ اس کے پردھان منتری بن گئے ہیں۔ ہمارے دیش کو آپ کے قد سے زیادہ آپ کی عقل کی ضرورت تھی۔ قد ناپا جا سکتا ہے لیکن کون ناپ سکتا ہے مہاراج!

شاستری: تم غلط کہتے ہو۔ عقل ناپی جا سکتی ہے۔

سیکرٹری: وہ کیسے مہاراج؟

شاستری: انسان کی عقل اس کے کارناموں سے ناپی جاتی ہے۔ ابھی تم یہ کہہ رہے تھے کہ کسی مؤرخ نے نپولین کا قد ناپنے کی جرأت نہیں کی ہوگی۔ لیکن اس کے کارناموں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

سیکرٹری: اس کے کارناموں کے متعلق تو بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں اور میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ یورپ کے تمام جرنیلوں اور سیاستدانوں کے حصے کی عقل اس کے دماغ میں جمع ہو گئی تھی۔

شاستری: اب تم سمجھ کی بات کر رہے ہو۔

سیکرٹری: مہاراج! نپولین کا قد آپ سے بڑا ہو سکتا ہے لیکن عقل یقیناً آپ سے کم تھی۔ اور دنیا کے مؤرخ جب نپولین کے ساتھ آپ کے کارناموں کا مقابلہ

کریں گے تو انہیں یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ عقل کے ترازو میں آپ کا پلڑا یقیناً بھاری ہے اور اس بات کو زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ صرف پاکستان فتح ہونے کی دیر ہے۔ لیکن مہاراج میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ بُرا تو نہیں مانیں گے؟

شاستری: کہو!

سیکرٹری: مہاراج اس وقت آپ کو نپولین کے متعلق نہیں سوچنا چاہیئے۔ یہ بُرا شگون ہے۔ نپولین کا انجام بہت بُرا ہوا تھا۔ آج آپ کو ہٹلر کے متعلق بھی نہیں سوچنا چاہیئے۔

شاستری: ارے تم کس وہم میں مبتلا ہو گئے۔ اگر مجھے نپولین اور ہٹلر جیسی فتوحات حاصل ہو سکیں تو مجھے اپنے انجام کے متعلق کوئی خوف نہیں ہوگا۔ میں یہ ثابت کروں گا کہ میں جنگ کے میدان میں نپولین اور سیاست کے میدان میں ونسٹن چرچل بن سکتا ہوں۔ میرا قد نپولین سے ملتا ہے۔ غصہ ہٹلر کی طرح ہے اور میری عقل ونسٹن چرچل سے زیادہ ہے۔ میں جن سنگھیوں اور مہا سبھائیوں کی پیاس بجھانے کے لئے خون کے دریا بہاؤں گا اور وہ ہٹلر کے نازیوں کی طرح میری پوجا کریں گے۔ میں بھارت کی افواج کو فتوحات کے راستے دکھاؤں گا۔ اور وہ مجھے بھارت کا نپولین تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ پھر جب جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک بھارت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے تو میں کسی بڑی طاقت سے الجھنے کا خطرہ مول لئے بغیر بین الاقوامی سیاست میں چرچل سے بڑا نام پیدا کروں گا۔ میں روس کو پرنام کروں گا تو بھارت میں

روسی روپے اور روسی اسلحے کے انبار لگ جائیں گے۔ میں امریکہ کی طرف جھکوں گا تو بھارت کے خزانے امریکی ڈالروں سے بھر جائیں گے اور بھارت کی چھاؤنیوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں میں امریکی ٹینکوں، توپوں، جٹ بمباروں اور بحری جہازوں کے لئے جگہ کی کمی محسوس کی جائے گی۔ پھر تاریخ کا کوئی طالب علم یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کرے گا کہ میرا قد کتنا تھا؟ مجھے یقین ہے کہ یو این او کو بھارت کے کیڑے مکوڑے بھی ہاتھیوں سے بڑے دکھائی دیا کریں گے۔ نپولین اور ہٹلر اور میسولینی کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ بڑی طاقتوں کے جواب میں بھی طاقت استعمال کرتے تھے۔ لیکن مہاتما جی کا بھلا ہو کہ وہ ہمیں کمزور کو دبانے اور طاقتور سے دبنے کا طریقہ سکھا گئے ہیں۔

سیکرٹری: مہاراج! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج کے بعد اگر میرے سامنے کسی نے آپ کے قد کا ذکر کیا تو میں اس کی زبان نوچ لوں گا۔ آپ ہمالیہ سے بڑے ہیں۔ آپ مونٹ ایوریسٹ سے اونچے ہیں۔ اس وقت میں آپ کی پیاری آنکھوں میں گنگا، نربدا اور برہم پترا کی طغیانیاں دیکھ سکتا ہوں۔ مہاراج! میں سچ کہتا ہوں کہ اگر میں پاکستان یا کشمیر کا باشندہ ہوتا تو مجھے آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی۔ میں کانپتا، لرزتا ہوا آپ کے چرنوں میں گر پڑتا اور پھر بڑی مشکل سے میرے منہ سے یہ الفاظ نکلتے۔ مجھ پر دیا کیجئے مہاراج! مجھ سے بھول ہوگئی۔ مجھے کشمیر میں رائے شماری کا نعرہ لگانا نہیں چاہیئے تھا۔

شاستری: (دھاڑ کر بلند آواز میں) اور میں تمہیں یہ جواب دیتا کہ اب تمہاری کوئی بات مجھے

متاثر نہیں کر سکتی۔ میں تمہارے لئے ہٹلر بن چکا ہوں۔

سیکرٹری: مہاراج میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی گرجدار آواز سن کر میری جان نکل جاتی۔ بھگوان کا شکر ہے، کہ میں پاکستانی یا کشمیری نہیں ہوں۔ لیکن مہاراج اس وقت جنرل چودھری اور ایئر مارشل ارجن سنگھ ملاقات کے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے پاکستان پر حملے کا ارادہ بدل نہیں دیا تو ان کا اپنے ہیڈ کوارٹرز سے غیر حاضر ہونا مناسب نہیں۔

شاستری: پاکستان پر حملہ کرنے کا ارادہ تبدیل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بھارت کے مقابلے میں اس کی آبادی جس قدر کم اور جنگی وسائل جتنے محدود ہیں اسی قدر میرے ارادے اٹل ہیں۔ لیکن تم درست کہتے ہو۔ ان کا وقت ضائع نہیں ہونا چاہیئے (شاستری کمرے سے باہر نکلتا ہے اور کشادہ گیلری سے گزرنے کے بعد ملاقات کے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ جنرل چودھری اور ایئر مارشل ارجن سنگھ جو ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے ہیں، اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شاستری ان سے مصافحہ کرنے کے بعد ایک کشادہ میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں)۔

شاستری: تشریف رکھئے مجھے اس وقت آپ کو یہاں آنے کی تکلیف نہیں دینی چاہیئے تھی اور آئندہ کے لئے میرا ارادہ یہی ہے کہ آپ سے ٹیلیفون پر ہی بات کی جائے۔ لیکن آج مجھے اتنی چنتا تھی کہ میں دوپہر کے وقت پانچ منٹ کے لئے بھی آرام نہیں کر سکا۔ اب میں آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کروں گا میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پاکستان زیادہ سے زیادہ کتنی دیر ہمارا مقابلہ

کرسکتا ہے (جنرل چودھری اور ایئر مارشل ارجن سنگھ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)۔

جنرل چودھری: مہاراج جب آپ اور رکھشا منتری بار بار ہم سے یہ سوال پوچھتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری قابلیت پر آپ کا اعتماد کم ہو گیا ہے ہمیں صرف یہ ڈر تھا کہ نہرو مہاراج کی طرح شاید آپ بھی جنگ شروع کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ابھی آپ کے سیکرٹری کا فون آیا تو میرا ماتھا ٹھنکا تھا ——— آپ نے پاکستان پر حملہ کرنے کا ارادہ بدل تو نہیں دیا مہاراج!

شاستری: ہرگز نہیں، آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟

جنرل چودھری: آپ بھارت کے مہامنتری ہیں مہاراج! اور اگر آپ کا ارادہ اٹل ہے تو آپ کو یہ شکایت نہیں ہوگی کہ ہم نے اپنے وعدے پورے نہیں کئے۔

ارجن سنگھ: مہاراج! آپ کو صرف یہ شکایت ہوگی کہ یہ جنگ اتنی جلدی کیوں ختم ہو گئی؟

جنرل چودھری: یہ جنگ چھتیس گھنٹوں کے اندر اندر ختم ہو جائے گی مہاراج! ہم رات کے تین بجے پیش قدمی کریں گے اور چند گھنٹوں کے بعد لاہور آپ کی جھولی میں ہوگا۔ اگلے دن سیالکوٹ اور قصور کی باری آئے گی اور پھر بارہ گھنٹوں کے اندر اندر میری افواج گوجرانوالہ کے قریب پاکستان کی شاہرگ کاٹ چکی ہوں گی۔

شاستری: آپ کو اس بات کا پورا اطمینان ہے کہ پاکستان کسی محاذ پر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کرے گا۔

جنرل چودھری: یہ اطمینان تو مجھے آپ نے اور آپ سے زیادہ رکھشا منتری نے کرایا ہے۔ جناب سردار سورن سنگھ باہر کے حالات سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اور وہ بھی آپ کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ پاکستان بھارت کے بھرپور حملے کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

شاستری: ہمیں سردار سورن سنگھ کی عقل پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ جب ہم نے آزاد کشمیر کی سرحد عبور کی تھی تو وہ اس رائے کے پُرجوش حامی تھے کہ پاکستان ہمارا مقابلہ نہیں کرے گا۔ لیکن وہاں پاکستان نے صرف ہمارا مقابلہ ہی نہیں کیا، بلکہ چھمب، دیوا اور جوڑیاں پر جوابی حملہ کرکے سینکڑوں میل کا رقبہ ہم سے چھین لیا ہے۔

جنرل چودھری: مہاراج یہی تو آپ کی دانائی ہے۔ بھارت نے پہلے آزاد کشمیر کی سرحد عبور کرکے پاکستان کو جوابی کاروائی پر مجبور کیا اور اب جوابی کاروائی کی آڑ لے کر ہم پاکستان پر حملہ کر رہے ہیں۔

شاستری: ایک طاقت ور ملک کو اپنی طاقت استعمال کرنے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں۔ ہم اٹھارہ سال سے پاکستان کو تباہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اگر مجھے اس بات کا خدشہ ہوتا کہ کشمیر میں پاکستان کی جوابی کاروائی سے ہمارا اس قدر نقصان ہوگا اور ہم سیدھا پاکستان پر حملہ کرکے اس نقصان سے بچ سکتے ہیں تو میں جنگ پہلے شروع کرتا اور بہانے بعد میں تلاش کرتا۔ ایک طرف ہماری بہادر افواج پاکستان کی سرحدوں میں داخل ہو جاتیں اور دوسری طرف آل انڈیا ریڈیو یہ دہائی مچاتا کہ جنگ کی ابتدا

پاکستان کی طرف سے ہوئی تھی۔ پھر اگر چھتیس یا اڑتالیس گھنٹوں میں ہم پاکستان کو کچلنے میں کامیاب ہو جاتے تو اقوامِ متحدہ یہ جاننے کی بھی ضرورت محسوس نہ کرتی کہ جنگ کی ابتدا کیسے ہوئی تھی۔

جنرل چودھری: اب بھی یہی ہوگا مہاراج! مجھے یقین ہے کہ اتنی بڑی فتح کے بعد آپ چھمب، جوڑیاں اور دیوا کے نقصانات بھول جائیں گے۔

ارجن سنگھ: پاکستان مقابلہ کرے یا نہ کرے میں بھارت کی ہوائی فوج کی طرف سے آپ کو یہ اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے تمام ہوائی جہاز اور ہوائی اڈے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تباہ کر دئیے جائیں گے۔

شاستری: لیکن ارجن سنگھ جی! آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ پاکستان ہمارا مقابلہ کرنے کی جرأت کرے گا۔

ارجن سنگھ: میں یہ بالکل نہیں سوچتا مہاراج! میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں بھارت کی ہوائی فوج کا کمانڈر انچیف ہوں۔ اور میرا کام پاکستان کے ہوائی جہاز اور ہوائی اڈے تباہ کرنا ہے۔

شاستری: لیکن پھر بھی تمہیں اس بات کا ڈر تو ہے نا کہ شاید پاکستان کی ہوائی فوج ہمارے مقابلے پر آ ہی جائے۔

ارجن سنگھ: اس سے کیا فرق پڑتا ہے مہاراج! زیادہ سے زیادہ ہمارے دو چار ہوائی جہازوں کا نقصان ہو جائے گا۔ لیکن ہوائی جنگ چوبیس گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔

شاستری: سردار جی آپ چوبیس گھنٹوں کی بجائے چھتیس یا اڑتالیس گھنٹے لڑ سکتے

ہیں لیکن ہمارے ایک ہوائی جہاز کا بھی نقصان نہیں ہونا چاہیئے۔ اب آپ تشریف لے جائیں، میں آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا ——— جنرل چودھری! آپ کچھ دیر یہیں ٹھہریں (ارجن سیلوٹ کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکل جاتا ہے)۔

جنرل چودھری: مہاراج آپ چنتا نہ کریں۔ ہم پاکستان کو مقابلے کے لئے تیاری کا موقع ہی نہیں دیں گے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں ۶ ستمبر کو لاہور جیمخانہ کلب میں شراب پینے اور دوپہر کا کھانا کھانے کا پروگرام بنا چکا ہوں۔

شاستری: مجھے آپ پر وشواش ہے لیکن ارجن سنگھ کی باتیں سن کر میرا جی کھٹا ہو گیا ہے۔ وہ بار بار یہ کیوں کہتا تھا کہ اگر پاکستان نے مقابلہ کیا تو اسے پروا نہیں ہوگی۔ آخر ہمارا ایک ہوائی جہاز بھی کیوں ضائع ہو مجھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بھارت کے جٹ ہوائی جہازوں کو مٹی کے کھلونے سمجھتا ہے۔

چودھری: آپ فکر نہ کریں مہاراج! صبح خزانے کے وزیر اور چون جی نے اسے بھارت کے مختلف ہوائی جہازوں کی قیمتوں پر لیکچر دیا تھا۔

شاستری: آپ کا مطلب ہے کہ اسے ہمارے ہوائی جہازوں کی قیمت معلوم نہ تھی۔

چودھری: اُسے سب کچھ معلوم تھا مہاراج! لیکن رکھشا منتری اور خزانے کے وزیر اُسے یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ تمہاری معلومات بہت پرانی ہو چکی ہیں۔ اب جٹ ہوائی جہازوں کی قیمت پچاس فی صدی چڑھ گئی ہے۔ مجھے یقین ہے اب وہ زیادہ احتیاط سے کام لے گا۔

شاستری: اور آپ کو بھی احتیاط سے کام لینا چاہیئے جنرل صاحب! ہمارے سینکڑوں

ٹینک بہت مہنگے ہیں۔

چودھری: میری طرف سے تو آپ کو کوئی چنتا نہیں ہونی چاہیئے مہاراج!

شاستری: میں نے آپ کو پھر ایک بار یہ سمجھانے کے لئے روکا تھا کہ سکھ سپاہیوں کے متعلق آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیئے۔

چودھری: مجھے آپ کی ہدایات یاد ہیں مہاراج! آپ اطمینان رکھیں۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی سکھ سپاہی یا افسر میدانِ جنگ سے منہ پھیرنے کی جرأت کرے، انہیں سب سے اگلی صف میں رکھا جائے گا۔

شاستری: میری یہ ہرگز خواہش نہیں کہ پاکستان کی افواج ہمارا مقابلہ کریں۔ لیکن اگر کسی محاذ پر جنگ ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں بھارت کی فوج سے سکھوں کی نفری کم ہو جائے تو مجھے زیادہ افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن تمہیں کسی ہندو سپاہی کی جان خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیئے۔ دہلی کے آس پاس کے ہندو سپاہیوں کے متعلق تو تمہیں بہت ہی محتاط رہنا چاہیئے۔ اگر ان میں سے دو چار سو مارے گئے تو چاروں اطراف سے ماتمی جلوس دہلی کا رخ کریں گے۔ اور پھر آہستہ آہستہ پورے بھارت میں کہرام مچ جائے گا۔ آل انڈیا ریڈیو ایک سو ہندو سپاہیوں کے نقصان کو دس بنانے کی کوشش کرے گا، تو بھی ریڈیو سننے والے دس کو دس ہزار بنا دیں گے۔

جنرل چودھری: آپ چنتا نہ کریں مہاراج! میں نے حملہ کرنے والی فوج کی ترتیب یہ رکھی ہے۔ سب سے آگے سکھ ہوں گے۔ ان کے پیچھے گورکھے اور ان کے ساتھ جنوبی ہندوستان خصوصاً کیرالا کے سپاہی ہوں گے۔ گورکھے کرائے

کے سپاہی ہیں، ان کے تھوڑے سے بہت نقصان کو دہلی میں زیادہ اہمیت نہیں دی جائے گی۔ کیرالا کے لوگ بھی بھارت کو کافی پریشان رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی تھوڑی بہت نفری کم ہو جانے سے بھی بھارت کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ڈوگروں کو ان کے ساتھ رکھا گیا ہے تاکہ وہ انہیں میدان چھوڑ کر بھاگنے سے روک سکیں۔ بھارت ماتا کے وہ سپوت جو دہلی کے آس پاس رہتے ہیں سب سے پیچھے رکھے گئے اور انہیں انتہائی مجبوری کے بغیر دشمن کی فائرنگ کی زد میں لانے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

شاستری: میرا مطلب یہ نہیں کہ انہیں بالکل ہی میدان جنگ سے دور رکھا جائے۔ انہیں جنگ جو بنانے کے لئے عملی سبق کی ضرورت ہے۔ جب آپ کو اس بات کا اچھی طرح اطمینان ہو جائے کہ دشمن حوصلہ ہار چکا ہے اور انہیں آگے بڑھ کر زخمی ہونے کا کوئی خطرہ نہیں اس وقت آپ انہیں کم از کم نہتے لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا موقع ضرور دیں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ صرف مرنے سے ڈرتے ہیں، مارنے سے نہیں ڈرتے۔

جنرل چودھری: مجھے اس کا کافی تجربہ ہے مہاراج! میں گزشتہ اٹھارہ برس سے اپنی آنکھوں سے ان گنت فسادات دیکھ چکا ہوں۔ بھارت ماتا کے یہ سپوت نہتے مسلمانوں کا خون بہانے میں ہمارے جنگجو سپاہیوں کی نسبت زیادہ تیز ہوتے ہیں، اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب اس جنگ میں موت کا خطرہ مول لئے بغیر مارنے کا موقع آئے گا تو یہ لوگ آگے بڑھنے کے لئے میری اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ اس وقت بھارت کے سیناپتی کی حیثیت صرف

ایک تماشائی کی ہوگی۔ اور میرا حکم سننے کی بجائے یہ لوگ جن سنگھ اور سیوک سنگھ کے لیڈروں کے اشاروں پر چلنا زیادہ پسند کریں گے۔ مہاراج آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت ہندو مہاسبھا، جن سنگھ اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے بڑے بڑے لیڈر شری گلزاری لال نندہ سے ملاقات کر رہے ہیں۔

شاستری: مجھے معلوم نہیں، آپ کو کیسے پتہ چلا؟

جنرل چودھری: مجھے انہوں نے ٹیلیفون پر اس خفیہ ملاقات میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ان لوگوں کو کام پر لگانے کے لئے تمہارے مشوروں کی ضرورت ہے۔ لیکن میں نے جواب دیا تھا کہ میں مہامنتری کے پاس جا رہا ہوں۔

شاستری: پھر انہوں نے کیا کہا؟

جنرل چودھری: پھر انہوں نے یہ کہا اگر مہامنتری کے گھر پر کوئی کانفرنس ہو رہی ہے تو میں بھی آنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد باتیں ہو جائیں گی۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے کسی کانفرنس کا علم نہیں۔ مہامنتری نے مجھے اور ائیر مارشل ارجن سنگھ کو چند منٹ کے لئے بلایا ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ بہت اچھا واپسی پر میرے مکان سے ہوتے جانا۔

شاستری: نندہ جی ان لوگوں کو خوش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مجھے یقین ہے کہ جون جی بھی وہاں پہنچ گئے ہوں گے اور انہیں حملے کا سارا پلان سمجھا رہے ہوں گے۔

جنرل چودھری: مہاراج! آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ بھرم کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

شاستری: مجھے یہ ڈر نہیں۔ میں یہ جانتا ہوں، مہاسبھائیوں، جن سنگھیوں اور سیوک سنگھیوں کے پاس ہمارے جنگی راز کانگرس کے لیڈروں سے کم محفوظ نہیں۔ لیکن اس بات پر اعتراض ہے کہ نندہ جی ہمیشہ ہم سے بالا بالا انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

جنرل چودھری: اس سے کیا فرق پڑتا ہے مہاراج! انہیں خوش کرنے کے لئے آپ کے اختیارات نندہ جی کے اختیارات سے کہیں زیادہ ہیں۔

شاستری: جنرل صاحب! آپ نے حیدرآباد اور اس کے بعد گوا پر چڑھائی کر کے بھارت ماتا کا دل موہ لیا تھا اور اگر آپ نے اس مہم میں بھی سو فیصدی کامیابی حاصل کی تو ساری دنیا پر بھارت کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ جب چٹاگانگ سے لنڈی کوتل تک اکھنڈ بھارت کا سکہ چلے گا تو جنوب مشرقی ایشیا کا کوئی ملک ہمارے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ برما، سیلون، نیپال اور افغانستان جیسے ملک ہمارے رحم و کرم پر ہوں گے اور ہم جب چاہیں ان پر چڑھ دوڑیں گے۔ جنوب مشرقی ایشیا کا کوئی ملک ہماری خواہش کے خلاف دنیا کے بڑے بلاکوں سے ایک روپیہ یا ایک کارتوس بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ صرف بھارت ایک ایسا ملک ہوگا جسے اقتصادی اور فوجی مدد کا مستحق سمجھا جائے گا۔

جنرل چودھری: مجھ پر وشواش کیجئے مہاراج! آپ میرے ہاتھوں حیدرآباد اور گوا کا حشر دیکھ چکے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس مرتبہ بھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دوں گا۔ اور جیسا کہ میرے دوست سردار ارجن سنگھ نے کہا

تھا، آپ کو صرف اس بات کا افسوس ہوگا کہ یہ کھیل اتنی جلدی ختم کیسے ہوگیا۔

شاستری: (بلند آواز میں) آپ کا دوست ارجن سنگھ بے وقوف ہے۔ مجھے ہرگز اس بات کا افسوس نہیں ہوگا کہ آپ اس جنگ کو جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر آپ کی انفنٹری کے سپاہی تین میل فی گھنٹہ کے حساب سے چلنے کا پروگرام بنا سکتے ہیں تو انہیں دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھاگنے کا حکم دیں۔ اگر آپ کے ٹینک تیس میل فی گھنٹہ کے حساب سے دوڑ سکتے ہیں تو بھگوان کے لئے اس کھیل کو لمبا کرنے کے لئے انہیں دو میل فی گھنٹہ کے حساب سے نہ چلائیں۔ یہ کھیل ایک سپاہی کے لئے دلچسپ ہو سکتا ہے۔ لیکن میں سپاہی نہیں ہوں۔ مجھے جنگ کا ایک ایک دن برسوں سے زیادہ طویل محسوس ہوگا۔ میں اپنی زندگی پاکستان پر بھارت کی فتح کی خبر سننا چاہتا ہوں۔ اگر آپ میری زندگی کی کوئی قیمت سمجھتے ہیں تو بھگوان کے لئے اس جنگ کو ہفتوں کی بجائے دنوں اور دنوں کی بجائے گھنٹوں میں ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔

جنرل چودھری: مہاراج! اگر آپ اس جنگ کے متعلق ایک سپاہی کے ذہن سے سوچیں گے تو آپ کو اس قدر پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر آپ حملے کے وقت دہلی کی بجائے لاہور کے محاذ پر ہوں تو ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ، توپوں کی دھنا دھن، مشین گنوں کی تڑتڑاہٹ اور بموں کے دھماکوں سے آپ کا مرجھایا ہوا چہرہ کھل جائے گا۔ بھارت کے سپاہیوں کے منہ سے جے ہند کے نعرے

سن کر آپ دوبارہ جوان ہو جائیں گے۔ پھر جب دہلی واپس آکر آپ ریڈیو پر بھارت کے عوام کو جنگ کا آنکھوں دیکھا حال سنائیں گے تو بھارت کا ہر سپوت یہ محسوس کرے گا کہ آپ کی طرح وہ بھی جوان ہوگیا ہے۔

شاستری: (انتہائی سنجیدگی کے ساتھ) تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔

جنرل چودھری: میں مذاق نہیں کرتا مہاراج!

شاستری: تم واقعی مذاق کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے توپوں کی دھنا دھن اور بموں کے دھماکے سننے کے لئے اس جنگ کا خطرہ مول نہیں لیا۔ میرا مقصد اپنے کانوں کے پردے پھاڑنا نہیں بلکہ جلد از جلد فتح حاصل کرنا ہے۔ جوان ہونے کا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے میں بھارت کے سیناپتی کی بجائے کسی سنیاسی کے پاس جاؤں گا۔ مجھے وچن دو کہ تم لاہور، لاہور کے بعد گوجرانوالہ، اور گوجرانوالہ کے بعد راولپنڈی کے راستے میں رک نہیں جاؤ گے۔

جنرل چودھری: مہاراج میں آپ کو وچن دیتا ہوں۔ لیکن آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں خواہ مخواہ جنگ کو لمبا کرنا چاہتا ہوں۔

شاستری: نہیں، نہیں، میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ تم مجھے وچن دو کہ دو چار دن بعد میرے پاس آکر جنگ لمبی کرنے کی وجوہات بیان نہیں کرو گے۔

جنرل چودھری: یہ کبھی نہیں ہوگا مہاراج! میں آپ کو وچن دیتا ہوں۔

شاستری: (اطمینان کا سانس لیتے ہوئے) جرنیل صاحب! یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ بھارت کے پردھان منتری نہیں ہیں، اور یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں

بھارت کا سیناپتی نہیں ہوں۔ اگر آپ بھارت کے پردھان منتری ہوتے، تو آپ مجھ سے زیادہ پریشان ہوتے۔ اگر میں بھارت کا سیناپتی ہوتا تو میں آپ کی پریشانی دُور کرنے کے لئے فوج کو یہ پیغام دیتا کہ بہادرو! تمہارا پردھان منتری تمہاری فتح کی خبر سننے کے لئے بے قرار ہے اگر تم لمبے پرلوک بھیجنے کا ارادہ نہیں کر چکے تو کچھوے کی چال چلنے کی بجائے خرگوش کی طرح چھلانگیں لگاتے ہوئے لاہور پہنچ جاؤ۔ اگر دشمن سو رہا ہے تو اسے جاگنے کا موقع نہ دو۔ اگر وہ جاگ رہا ہے تو اُسے اُٹھ کر ہتھیار سنبھالنے کا موقع نہ دو۔ اور پھر اگر وہ بھارت ماتا کی بدقسمتی سے ہتھیار سنبھال کر سامنے آجائے تو اسے فائر کرنے کا موقع نہ دو۔

جنرل چودھری: میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں مہاراج لیکن میرے متعلق آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ میں جان بُوجھ کر ایک منٹ بھی ضائع کروں گا۔ اگر میں نے جنگ کے متعلق پریشانی ظاہر نہیں کی تو میرا مقصد آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ کے سیناپتی اور آپ کی فوج کا مورال کتنا بلند ہے۔

شاستری: جنرل صاحب مجھے معلوم ہے کہ آپ کا مورال بہت بلند ہے۔ لیکن مجھے آپ کے مورال کی ضرورت نہیں۔ میں صرف بھارت کی فتح کی خبر سننا چاہتا ہوں اور جب آپ مجھے لاہور کے جیمخانہ سے یہ خبر بھیجیں گے کہ آپ فتح کی خوشی میں شراب پی رہے ہیں تو میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ کی فوج کا مورال کیسا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ بھارت کے راشٹرپتی سے لے کر چپراسی اور سیناپتی سے لے کر عام سپاہی تک کا مورال صرف فتح کی صورت میں قائم رہ سکتا ہے اگر ہمیں

اپنی توقع کے خلاف ایک دن بھی زیادہ جنگ کرنی پڑی تو مجھے ڈر ہے کہ بھارت کی عزت کے ساتھ بھارت کا مورال بھی خاک میں مل جائے گا۔

جنرل چودھری: مہاراج میں آپ کی ساری توقعات پوری کروں گا، میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں کروں گا۔ لیکن اب مجھے اشیرواد دیجئے۔

شاستری: آگے بڑھ کر جنرل چودھری کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) میں تمہیں اشیرواد دیتا ہوں۔ (جنرل چودھری فوجی سلام کرنے کے بعد مڑتا ہے اور کمرے سے باہر نکل جاتا ہے)

دوسرا منظر

پردھان منتری لال بہادر شاستری اپنی قیام گاہ کے کشادہ کمرے میں بیٹھا ہے۔ سامنے کی میز پر اس کے بائیں ہاتھ ٹیبل لیمپ روشن ہے۔ اس کے قریب چند فائلیں پڑی ہوئی ہیں۔ دروازے کے اوپر گھڑیال دس بجا رہا ہے۔ شاستری کی کرسی کے پیچھے دیوار پر ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کے نقشے آویزاں ہیں۔ دائیں ہاتھ اس کا سیکرٹری کھڑا ہے۔ اُس کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے آثار نظر آتے ہیں۔ وہ ایک فائل اُٹھاتا ہے لیکن پھر وہیں رکھ کر سیکرٹری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

شاستری: (سیکرٹری سے) مسٹر چون ابھی تک نہیں آئے۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ گھر سے روانہ ہو چکے ہیں؟ مہاراج ان کے پرائیویٹ سیکرٹری نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ روانہ ہو چکے ہیں (کمرے کا دروازہ کھلتا ہے۔ مسٹر چون اور مسز اندرا گاندھی کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور ہاتھ باندھ کر نمسکار کرتے ہیں۔

شاستری: (ہاتھ باندھتے ہوئے) نمسکار مہاراج، نمسکار شریمتی جی! تشریف رکھیے!

آپ نے بہت دیر کی۔

چون: مہاراج آپ کے ٹیلیفون کے فوراً بعد وزیرِ اطلاعات کا فون آیا کہ آپ کی طرح یہ بھی کافی پریشان تھیں۔ اور جب انہیں میں نے یہ بتایا کہ میں آپ کے پاس جا رہا ہوں تو انہوں نے بھی میرا ساتھ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس لئے میں پہلے اُن کے ہاں گیا۔ جب وہاں پہنچا تو گھر سے فون آیا کہ وزیرِ داخلہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ وہ بھی پردھان منتری کے پاس پہنچ جائیں۔

شاستری: آپ نے بہت اچھا کیا۔ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے۔ لیکن میں بہت پریشان تھا۔

چون: مہاراج ہم سب بہت پریشان ہیں آپ کا فون آنے سے پہلے میں بھی یہ سوچ رہا تھا کہ آج رات ہمیں ایک ہی جگہ سونا چاہیئے ـــــ لیکن اب صرف چند گھنٹے باقی ہیں، کل شام تک ہم سب کی پریشانیاں دُور ہو جائیں گی تھوڑی دیر ہوئی۔ مجھے جنرل چودھری کا ٹیلیفون آیا تھا کہ میں کل دوپہر کا کھانا لاہور میں کھاؤں گا۔

شاستری: جنرل چودھری نے مجھے بھی فون کیا تھا اور میں نے اُسے جواب دیا تھا۔ کہ کاش میں تمہارا بیرا ہوتا۔ چند گھنٹے پہلے جب انہوں نے مجھ سے زبانی یہ بات کہی تھی تو مجھے یہ یقین نہیں آتا تھا۔

اندرا گاندھی: مہاراج انہوں نے مجھے بھی یہ خوشخبری سنائی تھی اور میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر میں بھارت کی وزیرِ اطلاعات نہ ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے اپنے بہادر

سپہ سالار کا بھوجن تیار کرتی۔

شاستری : چوان جی! جنرل چودھری اخبار نویسوں کو بھی یہ خوشخبری دے چکے ہیں لیکن اب ہم آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو یقین ہے کہ وہ کل ہی لاہور پہنچ جائیں گے ؟

چوان : شاستری آپ کو کوئی شبہ ہے ؟

شاستری : نہیں، میں صرف اپنی تسلی کے لئے پوچھ رہا تھا۔

چوان : مہاراج! آپ صرف اس لئے پریشان ہیں کہ آپ کو جنگ کا کوئی تجربہ نہیں۔

شاستری : جنگ کا ہم میں سے کسی کو بھی تجربہ نہیں۔

چوان : جناب طاقت کو تجربے کی ضرورت نہیں۔ ہم اٹھارہ سال سے اس جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ جب ہمارے ٹینکوں کی میلوں لمبی قطار آگ برساتی ہوئی پاکستان کی طرف بڑھے گی اور آسمان سے ہمارے ہوائی جہاز بمباری کریں گے تو آپ کو صرف اس بات کا افسوس ہوگا کہ یہ کھیل اتنی جلدی ختم کیوں ہو گیا ہے۔ آپ کو مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں فوجی نہیں ہوں۔ لیکن میرے بزرگوں نے پانی پت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔

شاستری : بھگوان کے لئے بار بار پانی پت کا ذکر نہ کیا کرو۔ اس جنگ میں ہم بُری طرح پِٹے تھے۔

چوان : مہاراج! ہم اس لئے پٹے تھے کہ اس زمانے میں ہوائی جہاز اور ٹینک ایجاد نہیں ہوئے تھے اور کسی بڑی طاقت نے ہمیں مسلح نہیں کیا تھا لیکن اب ہم پانی پت

کی شکست کا بدلہ لے سکیں گے۔ مجھے صرف اس بات کا ڈر ہے کہ یو این او کی فوری مداخلت کے باعث کہیں آپ ہماری افواج کی پیش قدمی روکنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

شاستری : اگر ہمارے جرنیل لاہور میں دوپہر کا کھانا کھانے کا پروگرام بنا سکتے ہیں تو یو این او کی مداخلت سے پہلے پاکستان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔

اندرا گاندھی : چوان جی! آپ مطمئن رہیں۔ اگر پاکستان فتح کرنے کی مہم میں چند گھنٹے یا چند دن کی تاخیر بھی ہو جائے تو بھی ہم کسی دقت کے بغیر یو این او کو ٹال سکیں گے۔ پھر جس طرح کشمیر کا مسئلہ بھارت کا گھریلو مسئلہ بن چکا ہے، اس طرح پاکستان کا مسئلہ بھی ہمارا گھریلو مسئلہ بن جائے گا۔

شاستری : کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جنرل چودھری لاہور میں کل دوپہر کے کھانے کی بجائے صبح کے ناشتے کا پروگرام بنالیں۔ اگر یہ جنگ دو چار دن طول کھینچ گئی اور اس عرصہ میں حفاظتی کونسل کے نمائندے یہاں پہنچ گئے تو ہم انہیں کیا جواب دیں گے ؟

اندرا گاندھی : اگر میرے پتاجی کشمیر کے مسئلہ میں سولہ یا سترہ سال یو این او کو باتوں میں الجھا سکتے تھے تو آپ دو چار دن بھی انہیں مصروف نہیں رکھ سکیں گے۔ میں اس بات کا ذمہ لیتی ہوں کہ جب تک پاکستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، میں حفاظتی کونسل کے نمائندوں کو تاج محل اور گولکنڈہ کی سیاحت میں مصروف رکھوں گی۔ ویسے مجھے یقین ہے، اقوامِ متحدہ کی بڑی طاقتیں بھارت کو پریشان کرنے کی جرأت نہیں کریں گی۔

(گلزاری لال نندہ ہانپتا ہؤا کمرے میں داخل ہوتا ہے)

نندہ : نمسکار مہاراج! آپ بیٹھیں رہیں۔ میں فوراً یہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن سیٹھ مول چند اور سیٹھ دھنی رام نے گھر سے نکلتے ہی میرا راستہ روک لیا تھا میں ان سے جان چھڑانا چاہتا تھا کہ اخبارات کے مالکوں اور ایڈیٹروں کا ایک لشکر وہاں پہنچ گیا۔ ان سب کی زبان پر یہی سوال تھا کہ جنرل چودھری دوپہر کا کھانا لاہور کھائیں گے یا وہاں شام کی چائے پئیں گے!

شاستری : مول چند اور دھنی رام سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ لیکن اخبار والوں کو یہ پتہ کیسے چل گیا کہ جنرل چودھری کل لاہور پر حملہ کر رہا ہے۔

نندہ : جناب اخبار نویسوں کا یہ خیال ہے کہ جنرل چودھری لاہور پر حملہ کر چکے ہیں انہوں نے لاہور کی فتح کے متعلق ضمیمے بھی شائع کر دئیے ہیں۔ اگر میں انہیں منع نہ کرتا تو وہ حملے کے متعلق سرکاری اعلان سے پہلے ہی یہ ضمیمے فروخت کر دیتے۔

(دھنی رام اور مول چند کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

دھنی رام : معاف کیجئے مہاراج! ایسے موقعوں پر انتظار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ آپ آج رات بہت مصروف ہیں۔ لیکن ہم آپ کا زیادہ وقت ضائع نہیں کریں گے۔ ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ لاہور کب فتح ہوگا؟

شاستری : سیٹھ جی! جب جنگ شروع ہو جائے گی تو میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا۔

مول چند : مہاراج! آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ میں حملے کے سرکاری اعلان سے پہلے

اپنی دھرم پتنی کے سامنے بھی زبان نہیں کھولوں گا۔ لیکن مہاراج! اگر آپ مہربانی کریں تو میری چنتا دور ہو جائے گی اور میں چند گھنٹے آرام کی نیند سو سکوں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں اور کانگرس کو چندہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن یہ کتنی بے انصافی ہے۔ اخبار کے ایڈیٹروں کو تو یہاں تک علم ہے کہ جنرل چودھری کل لاہور کے جم خانہ میں شراب اُڑائیں گے۔

چون : مہاراج اب دو بجنے والے ہیں۔ تھوڑی دیر تک ہماری فوج حملہ کر دے گی۔ اس لئے اگر اب انہیں بتا دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

شاستری : (مسکراتے ہوئے) میرے خیال میں ان سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

مول چند : (بلند آواز میں) بھارت ماتا کی جے

دھنی رام : شاستری جی کی جے، جنرل چودھری کی جے، شریمتی اندرا گاندھی کی جے، نندہ جی کی جے۔

شاستری : اب تم جا سکتے ہو۔ لیکن تمہیں راستے میں نعرے لگانے کی اجازت نہیں۔

دھنی رام : چون جی آپ کو یقین ہے کہ کل لاہور فتح ہو جائے گا اور ہمارے جرنیل صاحب۔ ۔ ۔ ۔ ؟

چون : سیٹھ جی! مجھے یقین ہے۔

مول چند : مہاراج! سیٹھ دھنی رام یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ پاکستان بالکل مقابلہ نہیں کرے گا؟

چون: اگر پاکستان نے مقابلہ کیا تو بھی جنرل چودھری کا دعوےٰ غلط ثابت نہیں ہو گا۔

دھنی رام: مہاراج اگر پاکستان نے مقابلہ کیا تو ۔۔۔۔۔ مجھے ڈر ہے۔

چون: تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟

دھنی رام: مہاراج مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر پاکستان نے مقابلہ کیا۔ تو سچ مچ جنگ ہو جائے گی۔

چون: (گرج کر) تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم جھوٹ موٹ کی جنگ کرنا چاہتے ہیں؟

دھنی رام: نہیں مہاراج! میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اٹھارہ سال کی تیاریوں کے بعد بھی جھوٹ موٹ کی جنگ کرنا چاہتے ہیں۔

چون: تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

مول چند: مہاراج! سیٹھ دھنی رام آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس جنگ میں ہمارا اربوں روپے کا اسلحہ تو ضائع نہیں ہو جائے گا۔

چون: تم سیٹھ دھنی رام سے زیادہ بے وقوف ہو۔ بھلا ہمارا اسلحہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے؟

مول چند: مہاراج! آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میرا مطلب ہے کہ نیفہ والی بات تو نہیں ہو گی۔

چون: میں تمہارا مطلب سمجھتا ہوں۔ تم ہمارا مورال خراب کرنا چاہتے ہو۔

دھنی رام: مہاراج! آپ خواہ مخواہ غصے میں آ رہے ہیں۔ سیٹھ مول چند صرف

اس بات کی تسلی چاہتے ہیں کہ ہمارے سپاہی اپنے ہتھیاروں کو مفت کا مال سمجھ کر ضائع نہیں کر دیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ ہم نے جو قیمتی توپیں، ٹینک، ہوائی جہاز، رائفلیں اور مشین گنیں باہر سے مفت حاصل کی ہیں۔ ان کے متعلق ہمارے سپہ سالار اور ان کے سپاہی کہیں یہ تو نہیں سمجھتے کہ یہ مفت کا مال ہے اور اگر یہ ضائع بھی ہو جائے تو کوئی بات نہیں۔

مول چند: مہاراج! سیٹھ دھنی رام یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ نے سیناپتی اور فوج کے دوسرے افسروں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی ہے کہ ایک ٹینک لاکھوں روپے کا آتا ہے۔ اور جیٹ ہوائی جہاز کی قیمت اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

شاستری: سیٹھ جی! اگر اتنی بڑی فتح حاصل کرنے کے لئے دو چار ہوائی جہاز یا ٹینک ضائع ہو جائیں تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟

مول چند: مہاراج! دو چار کی کوئی بات نہیں لیکن سیٹھ دھنی رام کو اس بات کا ڈر ہے ہمارا سیناپتی کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھے کہ ہمارے سارے قیمتی ہتھیار دشمن کے ہاتھ چڑھ جائیں اور ہمیں مفت کا مال ضائع کرنے کے بعد اس کے بدلے نقد سودے کرنے پڑیں۔

چون: سیٹھ جی! تم ایسی منحوس باتیں کیوں کرتے ہو؟

مول چند: میں ٹیکس دیتا ہوں مہاراج! اور اس بات کی تسلی چاہتا ہوں کہ مجھے اسلحہ اور بارود خریدنے کے لئے مزید ٹیکس ادا کرنا نہیں پڑے گا۔ آپ کو جنرل چودھری، ائیر مارشل ارجن سنگھ اور فوج کے باقی تمام افسروں اور سپاہیوں

کے نام یہ ہدایات جاری کرنی چاہئیں کہ اسلحہ اور بارود خواہ بھارت کے روپے سے خریدا گیا ہو، خواہ مفت حاصل کیا گیا ہو، اس جنگ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ ضائع کر دیا جائے۔

چون: سیٹھ جی! ہماری فوج کو اسلحہ کی قیمت معلوم ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ایک کارتوس بھی ضائع نہیں کرے گی۔

دھنی رام: کارتوسوں کی کوئی بات نہیں مہاراج! وہ آپ شوق سے ضائع کریں لیکن ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور قیمتی توپوں کا خیال ضرور کریں۔ ایسی چیزیں کسی صورت بھی دشمن کے پاس نہیں جانی چاہئیں۔

شاستری: سیٹھ جی اب یہ بحث ختم ہو جانی چاہیئے۔ ہم اس وقت ضروری کاموں کی طرف توجہ دینا چاہتے ہیں۔

مول چند: بہت اچھا مہاراج! ہم آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کریں گے بلکہ جانے سے پہلے میں وزیرِ اطلاعات کی خدمت میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ صبح سے ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد آل انڈیا ریڈیو کو جنگ کی خبریں سنانی چاہئیں۔ ورنہ پرجا یہ خیال کرے گی کہ ہماری پیش قدمی رک گئی ہے۔ ہر خبر کے ساتھ جے ہند کے نعرے لگائے جائیں۔ پھر جب جنرل چودھری لاہور میں داخل ہوں تو لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ اب ان کا جلوس فلاں سڑک پر سے گزر رہا ہے۔ اب وہ فلاں جگہ شراب پی رہے ہیں۔ اور اب وہ کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ کھانے کے دوران بینڈ بجتا رہے اور دسترخوان کی سبزیوں اور ترکاریوں پر تبصرہ بھی ہوتا

رہے۔

شاستری: مجھے یقین ہے کہ وزیرِ اطلاعات ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔

مول چند: شریمتی جی آپ یہ باتیں غور سے سنیں۔ اور ہاں اس جنگ کی فلم بھی تیار کر لی جائے اور اس فلم میں مال روڈ اور میکلوڈ روڈ اور انار کلی میں بھارتی فوج کو مارچ کرتے ہوئے دکھایا جائے۔

اندرا گاندھی: سیٹھ جی! آپ کی ہر خواہش پوری کی جائے گی۔

دھنی رام: پردھان منتری جی! مجھے آپ کا قیمتی وقت ضائع کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جانے سے پہلے میں یہ بھی پوچھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے دوسرے وزیروں، خاص طور پر سردار سورن سنگھ کو یہاں کیوں نہیں بلایا؟

چون: سردار سورن سنگھ سے تمہیں کیا کام ہے؟

دھنی رام: مہاراج! وہ بھارت کے بدیش منتری ہیں اور میں اُن سے اس بات کی تسلی چاہتا تھا کہ کہیں چین تو میدان میں نہیں آ جائے گا۔

چون: چین کے میدان میں آنے سے پہلے ہماری جنگ ختم ہو چکی ہوگی۔

دھنی رام: مہاراج! آپ جنرل چودھری کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ وہ جنگ جلدی کر کے چین کو میدان میں آنے کا موقع نہ دیں۔

چون: جنرل چودھری تم سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ اب تم جاؤ اور یہ وعدہ کرو کہ راستے میں سردار سورن سنگھ کو بے آرام نہیں کرو گے۔

مول چند: جناب! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ وزیرِ خارجہ اس وقت سو رہے ہوں گے۔

شاستری: وزیرِ خارجہ سو نہیں رہے بلکہ ایک ضروری پریس نوٹ تیار کر رہے ہیں۔ اب تم ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔

مول چند: آیئے سیٹھ دھنی رام جی!

مول چند دھنی رام کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔ شاستری تھوڑی دیر آنکھیں ملنے کے بعد چون کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

شاستری: چون جی، جنرل چودھری کو پھر ایک بار تاکید کر دیجئے کہ اگر جنگ ذرا لمبی ہو گئی تو سارا معاملہ بگڑ جائے گا۔

چون: مہاراج! جنرل چودھری کو بار بار تاکید کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف اس لئے پریشان ہیں کہ آپ کو ہماری بکتر بند فوج کا اندازہ نہیں۔ جب سینکڑوں ٹینک پیش قدمی کریں گے تو دشمن یہ محسوس کرے گا کہ فولاد کی ایک دیوار اُن کا پیچھا کر رہی ہے۔ اور اس دیوار کے پیچھے ہمارا لشکر طوفانی سمندر کی لہروں کی طرح آگے بڑھ رہا ہے۔

نندہ: اور اُوپر ہمارے ہوائی جہاز ہوں گے۔

اندرا گاندھی: اور ہوائی جہازوں کے اُوپر وہ ہوں گے جنہیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکیں گی۔

چون: شریمتی! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ہمارے جیٹ ہوائی جہازوں کے اوپر کیا ہو سکتا ہے۔ ہم پاکستان کے ہوائی جہازوں کو اُٹھنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔

اندرا گاندھی: چون جی! میرا مطلب یہ نہ تھا۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ بھارت کے

ہوائی جہازوں کے اوپر میرے پتاجی اور گاندھی جی مہاراج کی آتما پرواز کر رہی ہو گی اور ان کی زبان پر جے ہند اور اکھنڈ بھارت کے نعرے ہوں گے۔

چون: مجھے یقین ہے کہ پانی پت کے ان سورماؤں کی آتمائیں ان کے ساتھ ہوں گی جنہوں نے رام راج کے لئے جانیں دی تھیں۔

شاستری: چون جی! بھگوان کے لئے آج رات مجھے پانی پت کی یاد نہ دلاؤ۔ میرے سامنے پانی پت کے ان سورماؤں کا ذکر نہ کرو جن کی یاد میں بھارت ماتا دو سو سال سے آنسو بہا رہی ہے۔ اگر تم نے چند بار اور پانی پت کا نام لیا تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ پانی پت کو بھول جاؤ چون جی! وہ بھارت کے سپوتوں کا مرگھٹ ہے۔

نندہ: راشٹرپتی ٹھیک کہتے ہیں چون جی! آج آپ کو صرف ان جنگوں کا ذکر کرنا چاہیئے جن میں ہمیں فتح حاصل ہوئی تھی۔

چون: ہمیں کون سی جنگ میں فتح حاصل ہوئی تھی؟

نندہ: شریمتی جی! اس سوال کا جواب آپ دیں۔

اندرا گاندھی: جہاں تک مجھے یاد ہے مسلمانوں کے خلاف تو ہم نے پانی پت کے علاوہ بھی کسی میدان میں فتح حاصل نہیں کی تھی۔

نندہ: کیا ہنومان جی نے سونے کی لنکا نہیں جلائی تھی۔ اور اس کے بعد مہابھارت کی جنگ نہیں ہوئی تھی؟

اندرا گاندھی: نندہ جی! لنکا والے مسلمان نہیں تھے اور مہابھارت کی جنگ بھی کورو اور پانڈو کا گھریلو تنازعہ تھا۔ وہ بھائی بھائی تھے اور اسی دیش کے رہنے والے

تھے۔ اس جنگ میں کورو جیتے تھے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ ہم کورو ہیں یا پانڈو ہیں۔ کورو اور پانڈو کی لڑائی کی طرح ہمارے دیش میں اور بھی جنگیں ہوئی تھیں۔ لیکن وہ سب بھارت کے ہندو راجوں اور مہاراجوں کے درمیان ہوئی تھیں۔ ہاں مجھے یاد آگیا، ہمارے راجہ پورس نے دریائے جہلم کے کنارے سکندر اعظم کا مقابلہ کیا تھا۔ سکندر مسلمانوں کی طرح ایک بدیشی تھا۔ لیکن راجہ پورس اپنے بے شمار جنگی ہاتھیوں کے باوجود اس کا راستہ نہ روک سکا۔ راجہ پورس کے منحوس ہاتھیوں نے بدحواس ہو کر اپنا ہی لشکر تباہ کر ڈالا۔

چون : (مضطرب ہو کر) آپ گنیش دیوتا کو منحوس خیال کرتی ہیں ؟

اندرا : نہیں میں گنیش دیوتا کو منحوس خیال نہیں کرتی۔ لیکن یہ بات ساری دنیا کو معلوم ہے کہ جنگ کے میدان میں پورس کے ہاتھی منحوس ثابت ہوئے تھے۔

چون : اگر پورس کے لئے ہاتھی منحوس ثابت ہوئے تھے تو آپ اس موقع پر بار بار ان کا ذکر کیوں کرتی ہیں ؟

اندرا : لیکن اس میں بُرائی کیا ہے چون جی ؟

چون : بُرائی ہو یا نہ ہو میں اس موقع پر راجہ پورس اور اس کے ہاتھیوں کا ذکر نہیں سن سکتا۔

اندرا : لیکن اس کی وجہ ؟

چون : وجہ میں نہیں بتاؤں گا۔ آپ کوئی اور بات کریں۔

اندرا : ارے میں سمجھ گئی۔ آپ پورس کے ہاتھیوں کے ذکر سے اس لئے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کے ٹینکوں کا نشان "کالا ہاتھی" ہے۔

چون : یہ سب اس گدھے کی کرتوت ہے۔

شاستری : کون سا گدھا ؟ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں ؟

چون : مہاراج میں اپنے سیناپتی کے متعلق کہہ رہا تھا۔

نندہ : سیناپتی نے کیا کیا ہے ؟

چون : مہاراج اس بے وقوف نے بہترین ٹینکوں کے لئے کالے ہاتھیوں کا نشان پسند کیا تھا۔ کاش مجھے چند دن پہلے معلوم ہوتا کہ حملے سے چند گھنٹے پہلے شریمتی اندرا، پورس اور اس کے ہاتھیوں پر لیکچر دینا شروع کر دیں گی تو میں حکم دے دیتا کہ ٹینکوں سے ہاتھیوں کے نشان مٹا دئے جائیں۔

اندرا : چون جی ! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں میری نیت آپ کا مورال خراب کرنے کی نہ تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ راجہ پورس اور اس کے ہاتھیوں کے ذکر۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چون : (تلملا کر) بھگوان کے لئے خاموش رہئیے۔ ورنہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا۔

شاستری : چون جی ہمت سے کام لیجئے! آپ بھارت کے رکھشا منتری ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ شریمتی جی کا مقصد آپ کو چڑانا نہ تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ

آپ ہر میٹنگ میں ایک دو بار پانی پت کی تیسری جنگ کا ذکر ضرور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ جنگ بھارت کے لئے انتہائی منحوس تھی۔ میں احتجاج کرتا ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ مجھ سے بھول ہو گئی۔ لیکن پھر بھی آپ سے بھول ہو ہی جاتی ہے۔

چون : شاستری جی آئندہ مجھ سے ایسی بھول نہیں ہوگی۔ بھگوان کے لئے شریمتی جی کو بھی سمجھائیے کہ وہ مجھے بار بار راجہ پورس اور اس کے منحوس ہاتھیوں کی یاد نہ دلائیں۔

وقفہ

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ شاستری کا سیکرٹری ریسیور اٹھا کر کان سے لگانے کے بعد شاستری کی طرف بڑھاتا ہے)۔

سیکرٹری : مہاراج جنرل چودھری کا ٹیلیفون ہے۔

شاستری : (ریسیور پکڑ کر کان سے لگاتے ہوئے) ہیلو جنرل چودھری! نہیں نہیں میں سو نہیں رہا ——— مسٹر چون یہیں ہیں۔ وہ آپ کی فتح کی پہلی خبر سننے تک یہیں رہیں گے ——— کتنے ٹینک؟ کاش میں دیکھ سکتا۔ ہاں میں سمجھ سکتا ہوں۔ رات کے وقت وہ جنگی ہاتھیوں سے زیادہ خوف ناک معلوم ہوتے ہیں۔ میں تمہیں اشیرواد دیتا ہوں۔ جے ہند (ریسیور رکھتے ہوئے) چون جی! جنرل چودھری کہتا ہے کہ ہمارے ٹینک پیش قدمی کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ ہم مختلف محاذوں سے پاکستان کی سرحدوں کو عبور کریں گے۔ رات کے وقت یہ آہنی قلعے جنگی ہاتھیوں سے کہیں زیادہ خوفناک محسوس

ہوتے ہیں۔ حملے کے وقت ان کی طاقت ہزاروں ہاتھیوں سے زیادہ ہوگی۔ اور ان کے پیچھے ہزاروں بکتر بند گاڑیاں، جیپیں اور ٹرک ہوں گے۔

چون : (ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے) شاستری جی! بار بار ہاتھیوں کا ذکر نہ کیجئے۔ یہ بدشگونی ہے۔

نندہ : کیسی بدشگونی چون جی! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔

چون : میں پورس نہیں ہوں۔ اور میرے ٹینک پورس کے ہاتھی نہیں ہیں۔ جنرل چودھری میرا مورال خراب کرنا چاہتا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر ہاتھیوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن میرا مورال خراب نہیں ہو سکتا۔

شاستری : (سیکرٹری سے) تم ڈاکٹر کو بلاؤ۔ چون جی بہت تھک گئے ہیں۔

چون : شاستری جی، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس وقت ڈاکٹر کی ضرورت اس بیوقوف کو ہے جسے ٹینک دیکھ کر ہاتھی یاد آتے ہیں۔

اندرا : چون جی! ٹینک اور ہاتھی کا موازنہ کوئی نئی بات نہیں۔ جب ہم باہر سے ٹینک منگوا رہے تھے تو میرے پتا جی یہ کہا کرتے تھے کہ موجودہ دور کی جنگ میں ٹینک کی وہی اہمیت ہے جو پرانی جنگوں میں ہاتھی کی ہوا کرتی تھی۔ آپ صرف اس لئے پریشان ہوتے ہیں کہ ہاتھیوں کا ذکر سن کر آپ کو راجہ پورس کے وہ ہاتھی یاد آ جاتے ہیں جنہوں نے میدان سے منہ پھیر کر بھاگتے ہوئے راجہ کی اپنی ہی فوج روند ڈالی تھی۔ اور راجہ پورس کے ہاتھیوں کی اس افسوسناک کارگزاری کی یاد نے آپ کو اس وہم میں مبتلا کر دیا ہے کہ کہیں ہمارے ٹینک بھی ہماری فوج کے لئے خطرناک نہ بن جائیں۔ لیکن آپ صرف پورس کے ہاتھیوں کے متعلق

کیوں سوچتے ہیں۔ آخر تاریخ میں ان افواج کا ذکر بھی تو آتا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھیوں کی بدولت کوئی جنگ نہیں جیتی۔

اندرا: لیکن چوان جی ہم نے ہاتھیوں کے بغیر بھی تو کوئی جنگ نہیں جیتی۔

شاستری: لیکن ہم جھگڑا کس بات پر کر رہے ہیں۔ آخر ٹینک کے ساتھ ہاتھی کا کیا مقابلہ ہے؟

چوان: شاستری جی! یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن آپ سب میرے کانوں میں بار بار ہاتھی اور پورس، پورس اور ہاتھی کے منحوس الفاظ ٹھونس رہے ہیں۔ اگر ایسی منحوس باتیں کوئی اور کرتا تو میں نندہ جی کو یہ مشورہ دیتا کہ اسے ڈیفنس آف انڈیا ریگولیشنز کے تحت گرفتار کر لیا جائے۔

نندہ: میں کل ہی یہ حکم جاری کروں گا کہ پانی پت، پورس اور ہاتھی کے الفاظ ڈیفنس آف انڈیا ریگولیشنز کی زد میں آتے ہیں۔

چوان: کل آپ کے پاس ایسی فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہوگا۔ آپ کی ذمہ داری مفتوحہ علاقوں کا انتظام ٹھیک کرنا ہے۔

نندہ: مجھے یقین ہے کہ مفتوحہ علاقوں میں دشمن کی لاشوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ کو یہ ڈر ہے کہ کچھ لوگ ادھر ادھر چھپ کر اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تو بھی آپ کو مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ میں پورا بندوبست کر چکا ہوں۔ راستے کی جو آبادی ہماری بری اور فضائی افواج کی گولہ باری سے بچ جائے گی، اسے ٹھکانے لگانے کی ذمہ داری جن سنگھ اور سیوک سنگھ کو سونپ دی گئی ہے۔ اس وقت سیالکوٹ کی سرحد سے لے کر واہگہ اور

قصور کی سرحدوں تک بھارت کی مسلح افواج کی صفوں کے پیچھے بھارت کے وہ سپوت جمع ہو رہے ہیں جو اٹھارہ سال سے اس موقع کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے انہیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ فوج سے چند میل پیچھے رہیں۔

چوان: نندہ جی! آپ نے بہت اچھا کیا۔ لیکن اپنے رکھشا منتری سے ایسی اہم باتیں پوشیدہ نہیں رکھنی چاہیئے تھیں۔

نندہ: مہاراج! میں پارلیمنٹ یا کیبنٹ کے سامنے ایسی باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کوئی سکھ یا مسلمان وزیر یہاں موجود ہوتا تو میں آج بھی خاموش رہنا ہی پسند کرتا۔

شاستری: آپ نے بڑی دانائی کا ثبوت دیا ہے۔ ورنہ میرے سکھ اور مسلمان وزیر جن سنگھ کا نام سن کر ہی بدحواس ہو جاتے ہیں۔ سورن سنگھ یقیناً یہ شور مچاتے کہ ہم جنگ کے بہانے مشرقی پنجاب کے سکھوں کے قتل عام کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

نندہ: مہاراج! سورن سنگھ زیادہ عرصہ خاموش نہیں رہ سکے گا۔ جنگ کے بعد ہماری فوجوں کو آرام کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارے جن سنگھی جوان آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہمیں صرف اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ چند دن غیر ملکی اخبارات کے نمائندے مشرقی پنجاب میں داخل نہ ہو سکیں۔

شاستری: نندہ جی! سکھوں کے متعلق تمہارے جذبات ہم سے پوشیدہ نہیں

لیکن بھگوان کے لئے جلد بازی سے کام نہ لیجئے۔ میں پاکستان کے ساتھ جنگ ختم ہونے تک سکھ سپاہیوں کو بھارت کے لشکر کی اگلی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

نندہ: آپ چنتا نہ کریں مہاراج! جن سنگھی جوان بے وقوف نہیں ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ابھی ہمیں سکھوں کی ضرورت ہے۔

چون: میں احتجاج کرتا ہوں۔ مسٹر نندہ کو یہ معلوم ہے کہ بھارت کی غیر ہندو اقلیتوں کے متعلق میرے جذبات ان سے مختلف نہیں۔ لیکن مجھے شکایت ہے کہ اتنا بڑا پلان مجھ پر ظاہر نہیں کیا گیا۔

نندہ: چون جی! اس میں ناراض ہونے کی کونسی بات ہے۔ میں نے بھارت کے اخبار نویسوں کے سامنے بھی اپنی خفیہ کارگزاری کا ذکر نہیں کیا۔ آپ کو میرے حوصلے کی داد دینی چاہیئے۔ میں پرجا کی واہ واہ سے بے نیاز ہو کر بھارت ماتا کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔

چون: لیکن آپ نے جن سنگھیوں کو خوش کرنے کا موقع تو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ انہیں یہ بتا چکے ہیں کہ بھارت پاکستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

نندہ: چون مہاراج! ہم سب جن سنگھیوں اور مہا سبھائیوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ بھارت ماتا کی ہندو اکثریت کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے۔ اور یہ جنگ بھی تو اسی لئے شروع کی جارہی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی انہیں ناراض کرنے کی جرأت

نہیں کرسکتا۔ باہر کے ملک یہی سمجھیں گے کہ ہم صرف اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے جنگ شروع کر رہے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ ہم کن مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہم نے گزشتہ اٹھارہ سال میں بھیڑیے پالے ہیں۔ اب ان کے لئے نئی نئی شکارگاہیں تلاش کرنا ایک مجبوری ہے۔ بہرحال میں نے انتہائی رازداری سے کام لیا ہے اور حملے کے متعلق چند بڑے لیڈروں کے سوا کسی کو نہیں بتایا۔

اندرا: آپ کو میرے سامنے ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے پتا جی نے کسی موقع پر بھی جن سنگھیوں اور مہا سبھائیوں کے سامنے ایسی کمزوری ظاہر نہیں کی تھی۔ آج بھی اگر وہ زندہ ہوتے اور اس جنگ کو بھارت کے لئے فائدہ مند سمجھتے تو انہیں اس بات کی قطعاً پروا نہ ہوتی کہ یہ لوگ انہیں کیا کہتے ہیں۔

شاستری: شریمتی جی! برا نہ مانئے۔ اگر پنڈت جی ہمارے لئے اتنا گولہ اور بارود جمع نہ کر جاتے تو آج ہمارے دل میں پاکستان سے جنگ لڑنے کا خیال بھی نہ آتا۔ یہ جنگ اسی دن ناگزیر ہوگئی تھی جب پنڈت جی کے دل میں کشمیر پر قبضہ کرنے کا شوق پیدا ہوا تھا۔ ان کا کمال یہ تھا کہ وہ پورے سترہ سال کشمیر کے مسئلہ کو الجھا کر بھارت کو جنگی تیاریوں کا موقع دیتے رہے۔ انہوں نے کبھی اپنی غیر جانبداری کا ڈھنڈورا پیٹ کر روس سے اسلحہ اور روپیہ حاصل کیا۔ اور کبھی اینگلو امریکن بلاک سے وابستہ ہو کر جنگی امداد حاصل کی۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ وہ مرنے سے پہلے ہمیں پاکستان

پروھاوا بولنے کے قابل بنا گئے ہیں۔ لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ جنگ رک سکتی تھی۔ وہ بظاہر بھارت کے انتہا پسندوں سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن عملاً اُن کی تسکین کے سامان مہیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے کشمیر کے متعلق جو پالیسی اختیار کی تھی وہ جن سنگھ اور مہاسبھا کی خواہشات کے عین مطابق تھی۔ انہوں نے رائے شماری کے متعلق اس وقت اپنے سابقہ سمجھوتوں سے انحراف کیا تھا۔ جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ بھارت پوری قوت کے ساتھ اہلِ کشمیر کی شاہرگ پر ہاتھ ڈال چکا ہے اور پاکستان کے باشندے بھی اُن کی حمایت میں بھارت کی فوجی قوت سے ٹکر نہیں لے سکتے۔ اب صورت یہ ہے کہ کشمیر کے باشندے بغاوت کا جھنڈا بلند کر چکے ہیں۔ اور پاکستان اُن کی پشت پر ہے۔ اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ پاکستان کی مداخلت کے باعث وہ مسئلہ جسے ہم اپنا گھریلو کہہ چکے ہیں پھر ایک بار بین الاقوامی مسئلہ بن جائے اگر پنڈت جی ہمیں جنگ کے لئے تیار نہ کرتے تو ہم امن کا راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ لیکن اب اگر ہم اپنی پرجا کو سمجھانے کی کوشش کریں تو ہندو اکثریت ہماری بوٹیاں نوچنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ پنڈت جی بھارت ماتا کے گلے میں رسا ڈال کر اسے جنگ کے میدان کی طرف گھسیٹ لائے تھے۔ اب ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ کشمیر کی طرح پاکستان کو بھارت کا گھریلو مسئلہ بنا لیا جائے۔ آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ میری باتیں آپ کو تکلیف دے رہی ہیں۔ لیکن پنڈت جی کے متعلق آپ

کے جذبات ایک بیٹے کے جذبات ہیں۔ اور میں انہیں ایک سیاسی گرو کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ اگر اس جنگ میں ہمیں فتح حاصل ہوئی تو میں بھارت کے عوام کے سامنے یہ اعلان کروں گا کہ اس فتح کا سہرا پنڈت جواہر لال نہرو کے سر ہے۔

چون: شاستری جی! آپ کو بھارت کی فتح کے متعلق کوئی شبہ ہے؟

شاستری: ہرگز نہیں۔ مجھے بھارت کی فتح کے متعلق کوئی شبہ ہوتا تو میں جنگ کا خطرہ مول کیوں لیتا۔ اگر پنڈت جواہر لال نہرو سترہ برس اس جنگ کی تیاریاں کر سکتے تھے تو میں بھی چند برس خاموش رہ کر مزید ٹینک، توپیں اور ہوائی جہاز جمع کر سکتا تھا۔ لیکن پاکستان سے چھ گنا زیادہ فوج اور اسلحہ جمع کرنے کے بعد میں یہ کیسے سوچ سکتا ہوں کہ اب کوئی ہمارا راستہ روک سکتا ہے۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ سیکرٹری آگے بڑھ کر ریسیور اُٹھاتا ہے۔ لیکن شاستری اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیتا ہے)۔

شاستری: ہیلو! میں بول رہا ہوں۔ میں سو نہیں رہا تھا۔ ہاں ہاں چون جی یہیں ہیں۔ تم نے حملہ کر دیا ہے؟ کیا کہا، راستہ بالکل صاف ہے۔ بہت خوب! تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شاید دوپہر کے وقت کھانے کی بجائے صبح کے ناشتے کے وقت لاہور پہنچ جاؤ گے —— ہاں ہاں سیالکوٹ پر بھی قبضہ کرنا ضروری ہے۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ دشمن مقابلے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میں بہت خوش ہوں۔ اب مجھے تھکاوٹ یا نیند کا کوئی

احساس نہیں۔ تم پیش قدمی جاری رکھو۔ کاش اس وقت بھارت کے تمام باشندے تمہاری آواز سن سکتے۔

چون : (شاستری سے ریسیور چھینتے ہوئے) ہیلو میں چون ہوں۔

شاستری : (دونوں ہاتھوں سے ریسیور پکڑتے ہوئے) چون جی! آپ کیا کر رہے ہیں۔ بھگوان کے لئے مجھے بات کرنے دیجئے۔ ہیلو جنرل چودھری!

چون : (ریسیور اپنے منہ کی طرف کھینچتے ہوئے) ہیلو ہیلو! میں چون ہوں۔

شاستری : (چون کی کلائی کے ساتھ لٹک کر ریسیور سے منہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے) میں پردھان منتری ہوں۔ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔ تم میری انسلٹ کر رہے ہو۔

نہیں نہیں! جنرل صاحب تم نہیں، میں چون سے بات کر رہا ہوں (چون شاستری کی کلائی مروڑ کر اسے ایک طرف دھکیلنے کے بعد کرسی پر کھڑا ہو جاتا ہے)

چون : ہیلو جنرل! اب تم اطمینان سے بات کر سکتے ہو۔ نہیں! نہیں! میں چون ہوں۔ ارے یہ لڑائی نہیں تھی۔ ہم آپس میں مذاق کر رہے تھے۔

اندرا : چون جی! آپ کو مہا منتری کے ساتھ اس قدر بے تکلف نہیں ہونا چاہیے جنرل چودھری کیا خیال کرے گا؟

چون : (اندرا گاندھی سے) میں رکھشا منتری ہوں اور مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ کوئی جرنیل میرے متعلق کیا خیال کرتا ہے (ریسیور پر) ارے نہیں میں کسی اور سے بات کر رہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھارت کا سپہ سالار

پاکستان پر حملہ کر چکا ہو اور مجھے اس کی پروا تک نہ ہو۔ بہت اچھا تم وقت ضائع نہ کرو۔ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ صبح پارلیمنٹ میں یہ خوشخبری سنا دی جائے گی۔ لیکن میرے بیان کے بعد اگر لاہور کی فتح کی خبر بھی آ گئی تو سارے بھارت میں تمہاری دھوم مچ جائے گی۔ بہت اچھا اب تم اپنا کام جاری رکھو جے ہند۔ (کرسی سے اتر کر ریسیور رکھتے ہوئے) شاستری جی! آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ میں جنرل چودھری سے حملہ کی خبر سننے کے متعلق آپ سے زیادہ بے چین تھا۔

نندہ : میں بھی کم بے چین نہیں تھا۔ لیکن مجھے آپ کی کشتی میں حصہ لینے کی جرأت نہیں ہوئی۔

اندرا : شاستری جی! مسٹر چون کو معاف کر دیجئے۔ حملہ کی خبر سن کر ان کا بے چین ہو جانا ایک قدرتی بات تھی۔ یہ خوشی کا وقت ہے۔ اب آپ کو گلے لگ کر جے ہند کے نعرے لگانے چاہیئیں۔ چون جی! آپ بھی معافی مانگ لیجئے۔

چون : مہاراج! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

شاستری : میری کلائی ابھی تک درد کر رہی ہے۔ لیکن میں صرف ایک شرط پر معاف کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ میں لاہور کی فتح کا اعلان میں کروں گا۔

چون : لیکن میں نے کل ہی پارلیمنٹ کے ممبروں کو ایک اہم خبر سنانے کا وعدہ کیا تھا اور یہ خبر لاہور کی فتح کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں آپ کو

یہ رعایت دے سکتا ہوں کہ لاہور کے بعد سیالکوٹ کی فتح کی خبر آپ سنائیں۔

شاستری: نہیں! بھارت کی عظیم ترین فتح کا اعلان صرف بھارت کا وزیر اعظم کر سکتا ہے۔

چون: ضد نہ کیجئے مہاراج!

شاستری: ضد تم کر رہے ہو۔ تمہیں اس بات کا بھی احساس نہیں کہ تم میری کلائی مروڑ چکے ہو۔

نندہ: شاستری جی! میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔

شاستری: تم مسٹر چون کی طرف داری کرنا چاہتے ہو۔

نندہ: نہیں مہاراج! میری تجویز یہ ہے کہ چون جی پارلیمنٹ میں لاہور کی فتح کی خبر سناتے ہی یہ اعلان کر دیں کہ اب اس فتح کی خوشی میں جلوس نکالا جائے گا۔ اور میں یہ انتظام کروں گا کہ اس جلوس میں آپ ہاتھی پر سوار ہوں اور باقی سب پیدل ہوں۔ جب راستے میں آپ پر پھولوں کی بارش کی جائے گی۔ اور آپ کے حق میں نعرے لگائے جائیں گے تو عوام صرف آپ کی طرف دیکھیں گے۔

چون: آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ میرے سامنے ہاتھی کا ذکر نہیں ہو گا۔

اندرا: چون جی! آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ شاستری جی کا جلوس نکالا جائے؟

چون: مجھے جلوس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ہاتھی کی بجائے میں انہیں

اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

اندرا: یہ تو اور بھی اچھی بات ہو گی جب بھارت کا رکھشا منتری بھارت کے پردھان منتری کو کندھے پر اٹھا کر آگے آگے چلے گا۔ تو لوگ خوشی سے پاگل ہو جائیں گے۔ لیکن چون جی آپ تھک تو نہیں جائیں گے؟

چون: شاستری جی کے بوجھ سے؟ ہرگز نہیں، اگر مجھے سارا دن دلی کی گلیوں میں بھاگنا پڑے تو بھی مجھے تھکاوٹ نہیں ہو گی۔

شاستری: تم میرا مذاق اڑاتے ہو۔ میں تمہارے کندھے پر سواری نہیں کروں گا۔

نندہ: تو آپ کے لئے کھلی کار کا انتظام کیا جائے گا۔

شاستری: تم کھلی کار کا انتظام تو کر دو گے۔ لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب جلوس روانہ ہو گا تو کھلی کار پر میری جگہ ڈاکٹر رادھا کرشنن سوار نہیں ہو جائیں گے؟

اندرا: میں اس بات کی ذمہ داری لیتی ہوں کہ ڈاکٹر رادھا کرشنن جی مہاراج اس جلوس میں شریک نہیں ہوں گے۔ میں جلوس کے وقت کسی غیر ملکی اخبار نویس سے ان کی ملاقات کا انتظام کر دوں گی اور خود بھی ان کے ساتھ رہوں گی۔

نندہ: مہاراج اب آپ کو خوش ہو جانا چاہیئے۔

چون: مہاراج میں پھر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

اندرا: مہاراج چون کو اٹھ کر گلے لگائیے۔

شاستری چون کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے اور اٹھ کر اسے گلے لگا لیتا ہے

نندہ: بولو بھارت ماتا کی جے!

(اندرا گاندھی، شاستری اور چون "بھارت ماتا کی جے" کا نعرہ لگاتے ہیں)۔

وقفہ

(ایک ملازم کمرے میں داخل ہوتا ہے اور ایک لفافہ شاستری کے سامنے میز پر رکھتا ہے)۔

شاستری: (برہم ہوکر) یہ کس نے دیا ہے؟

ملازم: مہاراج! ایک کرنل صاحب باہر کھڑے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا، کہ جب پردھان منتری جی بیدار ہوں تو یہ ضروری خط ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ جب سیکورٹی افسر نے انہیں یہ بتایا کہ آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں تو کرنل صاحب نے کہا یہ خط اسی وقت اندر بھیج دو اور پردھان منتری سے کہو کہ میں انہیں مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لوں گا۔ سیکورٹی افسر کہتے تھے کہ وہ کرنل صاحب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

شاستری: اُسے بھیج دو (ملازم چلا جاتا ہے اور شاستری لفافہ سے ایک خوب صورت کارڈ نکال کر پڑھنے کے بعد مسکرا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتا ہے)۔

اندرا: مہاراج یہ کوئی دعوت نامہ معلوم ہوتا ہے۔

شاستری: (چون سے) آپ کے سیناپتی نے پھر ایک بار ہمیں یقین دلانے کی

ضرورت محسوس کی ہے کہ وہ آج ہی لاہور فتح کرلیں گے۔ انہوں نے مجھے شام کے سوا پانچ بجے جیمخانہ کلب میں چائے کی دعوت دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کارڈ انہوں نے حملے کا فیصلہ ہوتے ہی چھپوا لئے تھے۔

چون: انہوں نے جنگ کے پورے پلان کے متعلق میرے ساتھ بحث کی تھی۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ ۶ ستمبر کی شام کو لاہور کی فتح کی خوشی میں چائے کی دعوت کا انتظام کر رہے ہیں۔

شاستری: جنرل چودھری ایک تجربہ کار جرنیل ہے اور ایک تجربہ کار جرنیل ایسی باتوں میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میں اس دعوت میں شریک نہیں ہو سکوں گا۔ میرا دہلی میں رہنا ضروری ہے۔

چون: آپ کی جگہ میں لاہور جانے کے لئے تیار ہوں مہاراج!

نندہ: لیکن آپ تو پارلیمنٹ کے سامنے اس حملے کا اعلان کریں گے۔

چون: میں اعلان کرتے ہی لاہور روانہ ہو جاؤں گا۔ سیناپتی اور اس کے بہادر جوانوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ میں لاہور جیمخانہ میں چائے پینے کے علاوہ لاہور ریڈیو اسٹیشن سے تقریر بھی کروں گا۔

نندہ: میں آپ کے ساتھ چلوں گا چون جی! لاہور کے ساتھ میری دلچسپیاں آپ سے زیادہ ہیں۔

چون: نندہ جی آپ کا تعلق فوج کے ساتھ نہیں، پولیس کے ساتھ ہے۔ جب پولیس کے دستے لاہور بھیجے جائیں گے تو میں آپ کو اُن کے ساتھ جانے

سے نہیں روکوں گا۔ لیکن فوج کے ساتھ صرف رکھشا منتری کو ہی جانا چاہیئے۔

نندہ: چون جی! جب لاہور فتح ہو جائے گا تو وہاں فوج کا کام ختم ہو جائے گا اور جن سنگھ اور سیوک سنگھ کے دستے اپنے حصے کی ذمہ داریاں سنبھال لیں گے اور ان لوگوں سے کام لینے کے لئے آپ کو میری ضرورت محسوس ہو گی۔

چون: کیا آپ ایک دو دن صبر نہیں کر سکتے؟

نندہ: میں صبر کر سکتا ہوں۔ لیکن وہ جو امرت سر میں جمع ہو رہے ہیں صبر نہیں کریں گے۔

اندرا: وہ کون؟

نندہ: جن سنگھ اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے رضاکار!

چون: نندہ جی! اگر میں نے لاہور پہنچ کر آپ کی ضرورت محسوس کی تو میں پیغام بھیج دوں گا۔ لیکن ابھی آپ کو یہیں رہنا چاہیئے۔ آپ کو یہ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہیئے کہ میں لاہور پہنچ چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ آئندہ چند گھنٹوں میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ جنرل چودھری جیمخانہ کلب میں دعوت کا انتظام نہ کر سکیں۔

نندہ: چون جی! اگر آپ کو یہ بات ناپسند ہے تو میں کل لاہور نہیں جاؤں گا۔ لیکن بھگوان کے لئے ایسی منحوس باتیں نہ کیجیئے۔

(ایک موٹا تازہ کرنل کمرے میں داخل ہوتا ہے اور فوجی سلام کرنے کے بعد

شاستری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

کرنل: مہاراج آپ کو مبارک ہو۔ سینا پتی کا حکم تھا کہ میں بذاتِ خود آپ کی خدمت میں ان کا دعوت نامہ پیش کروں (دوسرے وزراء کی طرف متوجہ ہو کر) جناب آپ کے دعوت نامے بھی میری جیب میں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے پردھان منتری جی کے بعد آپ کے پاس حاضری دینے کا حکم تھا۔

شاستری: تمہیں یقین ہے کہ جب جنرل صاحب نے تمہیں یہ خط تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ نشے میں نہیں تھے؟

کرنل: مہاراج فتح کا نشہ تو ہوتا ہے ہی نا۔

اندرا: شاستری جی شراب کے نشے کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔

کرنل: جی فتح کے نشے سے پہلے شراب کا نشہ ضرور ہوتا ہے۔

چون: جنرل صاحب نے کتنے دعوت نامے جاری کئے ہیں۔

کرنل: مجھے معلوم نہیں مہاراج! کل انہوں نے دو ہزار کارڈ چھپوانے کا حکم دیا تھا۔ باہر کے شہروں میں اپنے دوستوں کو وہ تاریں بھیجنے کا حکم دے چکے ہیں۔

اندرا: کرنل صاحب! آپ کو یقین ہے کہ لاہور کل ہی فتح ہو جائے گا؟

کرنل: یقین کیوں نہیں جی! یہ تو ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ ہے (شاستری سے) مہاراج اب مجھے اجازت دیجئے۔

شاستری: اچھا تم جاؤ۔ اور ان کے دعوت نامے دروازے پر چھوڑ دو۔ تمہارا

نام کیا ہے ؟

کرنل : میرا نام پرس رام ہے مہاراج !

چون : کیا کہا ، پورس رام ؟

(اندرا گاندھی ہنستی ہے)۔

چون : (ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے) شاستری جی! بھلا ہاتھی اور پورس کے الفاظ میں ہنسنے کی کیا بات ہے ؟

اندرا : چون جی! ان کا نام پورس رام نہیں، پرس رام ہے۔

کرنل : (پریشانی کی حالت میں چون کی طرف دیکھتے ہوئے) مہاراج مجھے معلوم نہیں۔ اصلی لفظ پورس رام ہے یا پرس رام ہے۔ بہر حال میرے ماتا پتا اور پانی پت کے تمام لوگ مجھے پرس رام ہی کہا کرتے تھے۔

چون : (چلا کر) تم جا سکتے ہو۔

(کرنل سیلوٹ کرنے کے بعد باہر نکل جاتا ہے۔)

شاستری : چون جی! جنگ کے دنوں میں فوجی افسروں کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیئے۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ اس کی زبان کا پرس رام آپ کے کانوں کا پورس رام بن جائے گا۔

چون : لیکن میں بار بار یہ بدشگونی برداشت نہیں کر سکتا۔

نندہ : پانی پت کا لفظ سُن کر میں بھی پریشان ہو گیا تھا۔ لیکن اس بیچارے کا کوئی قصور نہ تھا۔

مسٹر جھا : (وزیر اعظم کا سیکرٹری) مہاراج مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے ؟

شاستری : کہو۔

سیکرٹری : جناب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ پورس اور ہاتھیوں کا ذکر ہمارے لئے کسی بدشگونی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ ہاتھی پورس کی شکست کا باعث اس لئے ہوئے تھے کہ انہوں نے دشمن کی صفوں سے منہ موڑ کر راجہ پورس کے سپاہیوں کی صفیں روند ڈالی تھیں۔ ایک جانور کا بدحواس ہو جانا اور اُلٹے پاؤں بھاگنا سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن ٹینک اور ہاتھی میں کوئی مشابہت نہیں۔ ایک ٹینک انجن کی خرابی کے باعث رُک سکتا ہے۔ دشمن کی گولہ باری کے باعث تباہ ہو سکتا ہے۔ لیکن پورس کے ہاتھی کی طرح بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف نہیں بھاگ سکتا۔ یہ تو اس صورت میں ممکن ہے کہ ٹینک تو بھارت کے ہوں لیکن انہیں چلانے والے پاکستانی ہوں۔

چون : اُف! بھگوان تمہارا ستیاناس کرے۔ اگر تم پانچ منٹ اور اپنی عقل کا بیڑا نہ کھولتے تو کیا حرج تھا۔ اب مجھے یہ سوچنا پڑے گا کہ بھارت کے ٹینکوں پر پاکستان کے سپاہیوں کے سوار ہو جانے کے امکانات کیا ہیں ؟

سیکرٹری : لیکن مہاراج! آپ ناممکن باتیں کیوں سوچتے ہیں۔ اگر جنگ میں گھوڑے کا سوار گولی کھا کر گر پڑے تو یہ ہو سکتا ہے کہ دشمن خالی گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ لیکن ٹینک کا ڈرائیور تو آہنی خول کے اندر اس وقت تک محفوظ رہتا ہے جب تک کہ ٹینک تباہ نہیں ہو جاتا۔ اور جب ٹینک تباہ ہو جاتا

ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ پورس کے ہاتھی کی طرح اُلٹا بھاگنا شروع کر دے گا۔ آخر شگون کے لئے بھی تو کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔

چون : ٹینک تو اُلٹا نہیں بھاگ سکتا۔ لیکن تمہاری زبان بہت منحوس ہے۔ کیا تم مجھے یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ جب ہمارے ٹینک تباہ ہو جائیں گے تو ہم ہر خطرے سے محفوظ ہو جائیں گے ؟

سیکرٹری : میں نے یہ کب کہا ہے مہاراج ! میں تو آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہمارے ٹینک تباہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کی تباہی سے ہماری فوج کے لئے کسی صورت بھی وہ خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا جو راجہ پورس کے جیتے جاگتے ہاتھیوں کی معمولی سی بدحواسی نے اُس کی فوج کے لئے پیدا کر دیا تھا۔

چون : (چلا کر) لیکن ہمارے ٹینکوں کی تباہی ضروری ہے ؟

سیکرٹری : مہاراج ! میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ہمارے ٹینکوں کی تباہی ضروری ہے۔ میں تو آپ کو اس بات کی تسلی دینا چاہتا تھا کہ پورس کے ہاتھیوں کی مثال . . . . . ؛

چون : (میز پر مکہ مارتے ہوئے) پورس کے ہاتھیوں کے بچے ! خاموش رہو۔

سیکرٹری : میں احتجاج کرتا ہوں۔ میں وزیرِ اعظم، وزیرِ داخلہ اور وزیرِ اطلاعات کے سامنے احتجاج کرتا ہوں۔

چون : تم میری پوزیشن خراب کر رہے ہو۔ بھگوان کے لئے خاموش ہو جاؤ۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)۔

سیکرٹری : چون جی ! آپ ٹیلیفون اُٹھا سکتے ہیں۔ اس وقت جنرل چودھری کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

چون : (ٹیلیفون کا رسیور اُٹھا کر) ہیلو ! جنرل چودھری ؟ میں چون بول رہا ہوں۔ اچھا ! آپ سیٹھ مول چند ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ لاہور پر حملہ ہو چکا ہے۔ لیکن تمہیں کس نے بتایا ؟ امرتسر سے کس نے فون کیا ہے ؟ بدری پرشاد کون ہے ؟ وہ کیا کہتا ہے ؟ ہو سکتا ہے کہ یہ بات صحیح ہو۔ لیکن ہمیں ابھی تک ہوائی اڈے پر قبضے کی اطلاع نہیں ملی۔ نہیں نہیں تمہیں یہاں آنے کی اجازت نہیں۔ شاستری جی کو اب کچھ دیر آرام کی ضرورت ہے۔ اور ہم بھی اپنے اپنے گھر جا رہے ہیں۔ تم ریڈیو آن کر کے بیٹھے رہو۔ جب کوئی بڑی خبر آئے گی، سُنا دی جائے گی۔ (رسیور رکھتے ہوئے) شاستری جی اب ہمیں اجازت دیجئے۔

شاستری : بہت اچھا۔

چون، نندہ اور اندرا گاندھی شاستری کو پرنام کرنے کے بعد کمرے سے نکل جاتے ہیں۔

شاستری : (سیکرٹری سے) مجھے افسوس ہے کہ چون نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن تمہیں اس کے ساتھ بحث نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اس وقت وہ جوش میں تھا۔ جب لاہور کی فتح کی خبر آئے گی تو اس کا موڈ بدل جائے گا اور میں یہ کوشش کروں گا کہ تمہاری صلح ہو جائے۔

سیکرٹری : معاف کیجئے ! لاہور کی فتح کے بعد وہ شاید آپ کے ساتھ بھی بات

کرنا پسند نہ کرے۔ میں آج آپ کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ چکا ہوں۔

شاستری: لیکن وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم خسارے میں نہیں رہو گے۔ اب تھوڑی دیر آرام کر لو۔

سیکرٹری: جناب اب صبح ہو رہی ہے۔ میں سونے کی بجائے فتوحات کی خبریں سننا چاہتا ہوں۔ آپ آرام کریں۔

شاستری: (اُٹھ کر انگڑائی لیتے ہوئے) بہت اچھا، میں جاتا ہوں لیکن جب کوئی بڑی خبر آئے مجھے جگا دینا۔

(شاستری دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

تیسرا منظر

بھارت کا صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن، وزیر اعظم لال بہادر شاستری، اور آٹھ دوسرے وزراء۔ ایک کشادہ کمرے میں بیضوی میز کے گرد نصف دائرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

رادھا کرشنن: مجھے یہ سارے واقعات ایک بھیانک خواب محسوس ہوتے ہیں۔ ۶ ستمبر کے دن میں نے ریڈیو سے پہلے یہ خبر سُنی تھی کہ ہم نے لاہور کے ہوائی اڈے پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد ریڈیو نے یہ اعلان کیا تھا کہ اب ہماری بہادر افواج جے ہند کے نعرے لگاتے ہوئیں انار کلی کے بازار میں مارچ کر رہی ہیں۔ اس کے بعد کوئی دن ایسا نہ تھا جب ہمیں بری اور فضائی جنگوں میں بھارت کی عظیم ترین فتوحات کی خبریں نہیں سنائی گئیں اور اب حالت یہ ہے کہ بھارت کے صدر کو بھی صحیح خبریں معلوم کرنے کے لئے پاکستان کا ریڈیو سننا پڑتا ہے۔

اندرا گاندھی : مہاراج آل انڈیا ریڈیو کی پہلی ذمہ داری عوام کا مورال بلند رکھنا ہے۔ صحیح خبریں معلوم کرنے کے لئے آپ کو جنرل ہیڈ کوارٹر سے رابطہ رکھنا چاہیئے۔

رادھا کرشنن : لیکن جنرل ہیڈ کوارٹر سے مجھے جو خبریں ملتی ہیں وہ پاکستان ریڈیو پر دو تین دن پہلے نشر ہو جاتی ہیں۔ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہمارے کمانڈر من گھڑت خبروں سے ہمارے سیناپتی کو بے وقوف بناتے ہیں۔ اور ہمارا سیناپتی ہمیں بے وقوف بناتا ہے۔ اب ہمارے لئے یہ کام رہ گیا ہے کہ ہم بھارت کے عوام کو بیوقوف بناتے رہیں۔

چوان : مہاراج عوام کا مورال ٹھیک رکھنا بھی تو ضروری ہے۔

رادھا کرشنن : لیکن یہ باتیں لوگوں سے کب تک چھپی رہیں گی کہ سیالکوٹ، واہگہ، قصور، راجستھان اور چھمب کے محاذ ہمارے سپاہیوں، ہماری توپوں اور ہمارے ٹینکوں کے مرگھٹ بن چکے ہیں۔ پٹھانکوٹ، ہلواڑہ، جالندھر، انبالہ، آدم پور اور جام نگر کے ہوائی اڈوں پر ہمارے ہوائی جہازوں کے ڈھانچے بکھرے پڑے ہیں۔ دوارکا کا بحری اڈا تباہ ہو چکا ہے اور پاکستان کی جتنی زمین پر ہم نے قبضہ کیا تھا اُس سے چار گنا زیادہ رقبہ پاکستان کے رقبہ میں جا چکا ہے۔ پاکستان کے مقابلے میں ہمارے ٹینکوں کا نقصان چھ گنا اور ہوائی جہازوں کا نقصان تین گنا زیادہ ہے۔

نندہ : مہاراج آپ کو عوام کے متعلق چنتا نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم نے پاکستان ریڈیو سننے پر پابندی لگا دی ہے۔

رادھا کرشنن : لیکن تم کتنی دیر اُن کی آنکھوں اور کانوں پر پہرے بٹھا سکو گے۔ اب ساری دنیا کا پریس اور تمام ملکوں کے ریڈیو ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں۔ تم نے اعلانِ جنگ کئے بغیر اس اُمید کے ساتھ پاکستان پر حملہ کیا تھا کہ تم چند گھنٹوں کے اندر اندر دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دو گے۔ اور دنیا پر تمہاری طاقت کا رعب بیٹھ جائے گا اور جوناگڑھ اور حیدر آباد کی طرح پاکستان میں بھی، جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا نعرہ لگا سکو گے ـــــ اور پھر چین کے ساتھ معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد تم پاکستان کے مسئلہ سے یو این او کی توجہ ہٹا سکو گے۔ لیکن اب ایک طرف ہم پاکستان کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں، اور دوسری طرف ہمیں چین للکار رہا ہے۔ ایشیا میں آج ہماری حالت وہی ہے جو جنگ عالمگیر کے اختتام کے ایام میں اٹلی کی تھی۔ اب عدم تشدد کا چولہ پہن کر بھی ہم اپنے منہ کی سیاہی نہیں چھپا سکتے۔ مغربی طاقتیں ہمیں اس لئے گولہ اور بارود دیتی ہیں کہ وہ ہمیں جنوب مشرقی ایشیا میں چین کا مدمقابل سمجھتی تھیں۔ لیکن اب ساری دنیا یہ کہہ رہی ہے کہ جو ملک پاکستان کے ہاتھوں پٹ رہا ہے وہ چین کا مقابلہ کیسے کرے گا۔ ہم نے بھارت کی فوجی قوت میں اضافہ کرنے کے لئے عوام کو ننگا اور بھوکا رکھا ہے۔ لیکن ہماری اٹھارہ سال کی تیاریوں کا انجام یہ ہے کہ ہم ایک محاذ پر گزوں کے حساب سے آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے محاذوں پر میلوں کے حساب سے پیچھے بھاگتے ہیں۔ کاش تم لوگ جلد بازی سے کام نہ لیتے۔ میں نے چوان جی کو سمجھایا تھا کہ اگر ہمیں اپنی فتح کے متعلق ایک فی

صدی شبہ ہو تو بھی ہمیں جنگ کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔ ہم چند سال اور تیاریاں کر سکتے تھے اور اس عرصہ میں دوسرے چوتھے مہینے چین کے خلاف صرف بیان دے کر یا جلوس نکال کر مغربی ملکوں سے لاتعداد روپیہ اور اسلحہ حاصل کر سکتے تھے۔ اس جنگ سے میں نے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پاکستان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ہمارے ہر سپاہی کے پاس ایک ٹینک ہونا چاہیئے اور ہر ٹینک کی حفاظت کے لئے ایک توپخانہ اور ایک ہوائی بیڑہ ہونا چاہیئے۔ اس قیمتی سامان کی حفاظت کے لئے راکٹ اور ایٹم بم ہونے چاہئیں۔

ہماری وزیر اطلاعات کو شاید اس بات کا احساس نہیں کہ آل انڈیا ریڈیو کی نشریات نے بھارت کی حکومت کے لئے کتنی مشکلات پیدا کی ہیں۔ ۶ ستمبر کے دن جنگ شروع ہونے سے چند گھنٹے بعد ریڈیو نے یہ اعلان کیا تھا کہ لاہور فتح ہو چکا ہے اور اس اعلان سے چند منٹ بعد سیٹھ مول چند اور سیٹھ دھنی رام میرے پاس مٹھائی لے کر پہنچ گئے۔ ڈاکٹروں نے مجھے مٹھائی کھانے سے منع کر رکھا ہے لیکن فتح کی خوشی اور سیٹھ صاحبان کے اصرار پر میں نے پانچ چھ لڈو کھا لئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے اب تک بدہضمی کی شکایت ہے اور بدہضمی سے زیادہ مجھے اس بات کی شکایت ہے کہ سیٹھ دھنی رام مجھے ہر روز تین چار مرتبہ فون کرتا ہے کہ لاہور کے متعلق سرکاری اعلان کب ہو گا۔ اب آپ بتائیں کہ مجھے کیا جواب دینا چاہیئے۔ وہ مجھے یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے لاہور کی فتح کی خبر سن کر پانچ من لڈو

تقسیم کئے تھے۔ پچاس ہزار روپیہ وار فنڈ میں دیا تھا اور اس کے علاوہ ایک ایک ہزار روپیہ ہنومان جی اور کالی دیوی کے مندروں کو دان کیا تھا۔

نندہ: مہاراج! دھنی رام، چندہ اور بھتے لینے کے لئے آپ کو بلیک میل کرتا ہے۔ ورنہ اسے معلوم ہے کہ لاہور فتح نہیں ہوا۔ امرتسر، جالندھر اور انبالہ میں اس کے ایجنٹ موجود ہیں اور وہ ٹیلیفون پر اُسے ایک ایک پل کی خبر دیتے رہتے ہیں۔ میری پولیس باقاعدہ اس کا ٹیلیفون ٹیپ کرتی ہے وہ ہمارا مذاق اُڑاتا ہے لیکن میں اس کا علاج جانتا ہوں۔ اُس نے تین من لڈو تقسیم کئے ہیں اور لاکھوں من اناج گھی، چینی بلیک مارکیٹ میں فروخت کر کے کئی گنا زیادہ رقم جمع کر لی ہے۔ میری اطلاع کے مطابق اُس نے کئی شہروں سے اناج اور چینی کے علاوہ ——— تیل اور سگریٹ بھی غائب کر دئیے ہیں۔ اسی طرح مول چند نے بھی ۶ ستمبر کی شام لڈو تقسیم کئے تھے اور ۷ ستمبر کی صبح کپڑے کی بلیک مارکیٹ شروع کر دی تھی۔ مہاراج! اگر آپ حکم دیں تو یہ دونوں آج ہی گرفتار ہو سکتے ہیں۔

شاستری: لیکن تم شاید یہ بھول گئے ہو۔ یہ دونوں سیٹھ کانگریس، ہندو مہاسبھا اور جن سنگھ کو ہر سال ہزاروں روپیہ چندہ دیتے ہیں۔ میں تمہیں زیادہ چندہ مانگنے کی اجازت دے سکتا ہوں لیکن ان کی بلیک مارکیٹ کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ وہ بعض اخباروں کو بھی روپیہ دیتے ہیں اور ایسے سینکڑوں ساہوکاروں کے نام شائع کروا سکتے ہیں جو

بلیک مارکیٹ سے ان کی نسبت زیادہ کماتے ہیں لیکن تم کانگرس کی بدنامی
کے خوف سے اُن پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔

سورن سنگھ : مہاراج میں وزیر خوراک کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہتا۔
لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ آسام میں چاول کا بھاؤ سو روپے من سے بھی
زیادہ ہو گیا ہے۔

چون : (برہم ہوکر) یہ ہم سب کو معلوم ہے لیکن اس میٹنگ کا مقصد چاول کا بھاؤ
کم کرنا نہیں بلکہ جنگ کے حالات پر غور کرنا ہے۔ (ایک افسر کمرے میں
داخل ہوتا ہے۔)

افسر : مہاراج! جنرل چودھری اور ایر مارشل ارجن سنگھ تشریف لے آئے ہیں۔
جنرل اور ایر مارشل کہتے ہیں کہ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔

کرشنم اچاری : لیکن میں تو یہ محسوس کرتا ہوں اگر جنرل چودھری اور ایر مارشل ارجن
سنگھ ہر روز اپنے قیمتی وقت سے چند گھنٹے ضائع کر لیا کریں تو ہمارے ٹینکوں
اور ہوائی جہازوں کے نقصانات کم ہو سکتے ہیں۔ ایک جٹ ہوائی جہاز کی
قیمت تقریباً ایک کروڑ اور ایک ٹینک کی قیمت سات آٹھ لاکھ روپے
ہوتی ہے۔

چون : یہ مذاق کا کونسا وقت ہے؟

کرشنم اچاری : میں مذاق نہیں کرتا چون جی! میں بھارت کی قسمت کا رونا رو رہا ہوں۔
بھارت کے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی تباہی کی خبریں سُن کر میرا وزن دو
چھٹانک آٹھ تولے روزانہ کے حساب سے کم ہو رہا ہے اور یہ میری خوش

قسمتی ہے کہ میرا گھر ہلواڑہ، آدم پور، پٹھانکوٹ یا انبالہ میں نہیں ہے۔ ورنہ
میرا وزن شاستری جی سے بھی کم ہو جاتا۔

شاستری : میں احتجاج کرتا ہوں —— میرا وزن قطعاً کم نہیں ہوا۔

کرشنم اچاری : مہاراج آپ کا وزن اس لئے کم نہیں ہوا کہ آپ وزیر اعظم ہیں، وزیر
خزانہ نہیں ہیں جسے سونے سے پہلے ایک ایک دمڑی کا حساب دیکھنا پڑتا
ہے۔ مہاراج میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی فوجیں جو گولے ہمارے
ٹینکوں اور ہوائی جہازوں پر برساتی ہیں وہ میرے سینے پر لگتے ہیں۔ پرسوں
رات میں نے سپنا دیکھا تھا کہ میں ہوائی اڈہ بن گیا ہوں اور دشمن کے لڑاکا
طیارے مجھ پر گولیاں برسا رہے ہیں۔ کل میں نے یہ سپنا دیکھا تھا کہ میں
ایک ٹینک ہوں اور اپنی مرضی کے خلاف بھاگتا ہوا دشمن کی توپوں کی زد
میں آ گیا ہوں —— پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں ہاتھی بن گیا ہوں۔

چون : (بدحواس ہوکر) ہاتھی؟

وزیر خزانہ : ہاں مہاراج اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے ایک آرمرڈ ڈویژن کے
ٹینکوں کا نشان کالا ہاتھی ہے۔ جنگ سے پہلے میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب
ہمارے کالے ہاتھی سینکڑوں کی تعداد میں پاکستان کا رُخ کریں گے تو دنیا
کو پورس کے ہاتھی بھول جائیں گے۔ لیکن کل شاید میرے دماغ پر اپنے
ٹینکوں یعنی کالے ہاتھیوں کی تباہی کا اثر تھا ورنہ خواب میں میرے ٹینک بن
جانے اور ٹینک سے "کالا ہاتھی" بن جانے اور ہاتھی بننے کے بعد اپنی سونڈ،
اپنے کانوں، ایک آنکھ اور ایک ٹانگ سے محروم ہو جانے کی وجہ اور کوئی

نہیں ہو سکتی۔ مہاراج کالا ہاتھی بن جانے کے بعد دشمن کے سپاہی مجھے لاٹھیوں سے ہانک رہے تھے۔ پھر جب میں اس بھیانک سپنے سے بیدار ہُوا تو میرا سارا جسم دُکھ رہا تھا۔

چون : (اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے) میں نے اس بے وقوف کو ہدایت کی تھی کہ فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کے ٹینکوں سے کالے ہاتھی کا نشان مٹا دیا جائے۔

رادھا کرشنن : اور وہ بے وقوف کون ہے؟

چون : جنرل چودھری مہاراج! جو جنگ شروع کرنے سے پہلے تمام بدشگونیاں ضروری سمجھتا تھا۔

رادھا کرشنن : کیسی بدشگونیاں —؟

اندرا گاندھی : مہاراج! ہمارے رکھشا منتری ہاتھی اور پورس کے ذکر کو بھارت کے لئے بدشگونیاں خیال کرتے ہیں۔

چون : (تلملا کر) شریمتی جی! کیا آپ کی تشریح کی کوئی ضرورت باقی رہ گئی تھی؟ بھگوان کے لئے کوئی اور بات کیجئے (افسر سے) تم الّو کی طرح کیا دیکھ رہے ہو۔ انہیں بلاتے کیوں نہیں۔ (افسر بھاگ کر باہر نکل جاتا ہے۔ جنرل چودھری اور ائیر مارشل ارجن سنگھ کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور حاضرین سے مصافحہ کرنے کے بعد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔

چون : جنرل چودھری! مجھے معلوم ہُوا ہے کہ آپ بہت جلدی میں ہیں۔ خیریت تو ہے نا؟

جنرل چودھری : ہاں مہاراج! میرے گھر میں بالکل خیریت ہے۔

اندرا گاندھی : (ہنسی ضبط کرتے ہوئے) جنرل صاحب! چون جی نے آپ کے گھر کی خیریت نہیں پوچھی۔ (جنرل چودھری پریشان ہو کر اندرا گاندھی کی طرف دیکھتا ہے)۔

رادھا کرشنن : جنرل صاحب! وزیر اطلاعات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمیں آپ کے گھر کی خیریت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن اس وقت ہم آپ سے جنگ کے حالات سننا چاہتے ہیں۔

جنرل چودھری : آپ نے آل انڈیا ریڈیو نہیں سنا مہاراج؟

شاستری : آل انڈیا ریڈیو کا کام عوام کا مورال بلند رکھنا ہے۔ لیکن ہمیں صحیح اطلاعات کی ضرورت ہے۔

جنرل : مہاراج! اگر آپ کو مورال کی ضرورت نہیں تو پاکستان ریڈیو سن لیا کریں۔ اس کی خبریں بعض اوقات میری اپنی اطلاعات سے بھی زیادہ درست ثابت ہوتی ہیں۔

اندرا گاندھی : جنرل صاحب! ہم پاکستان ریڈیو کی تعریف سننے کے لئے اس جگہ جمع نہیں ہوئے۔

نندا : سیناپتی کا مقصد پاکستان ریڈیو کی تعریف کرنا نہ تھا۔ اور ہم میں سے کسی کو یہ بھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ بھارت کا سیناپتی حیدر آباد کا وہ فاتح جس کا نام سن کر بھارت ماتا کے تمام نرناری جے ہند کے نعرے بلند کرتے ہیں، اس جنگ کے حالات سے ہماری نسبت کم پریشان ہے۔

جنرل چودھری: نندہ جی مہاراج! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن آپ کو میری وکالت کی ضرورت نہیں۔ اگر راشٹر پتی، پردھان منتری یا کسی اور وزیر کو مجھ پر کوئی اعتراض ہے تو اُسے کُھل کر بات کرنی چاہیئے۔ میں ہر سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔

شاستری: جرنیل صاحب آپ کو ہرگز یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ آپ پر میرا اعتماد کم ہو گیا ہے۔ لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ اس جنگ کے متعلق آپ کے تمام اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں؟

جنرل چودھری: اس جنگ کے متعلق ہم سب کے اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں مہاراج!

شاستری: جنگ کے متعلق سول حکومت کے اندازے غلط ثابت ہو سکتے ہیں لیکن آپ ملک کے سینا پتی ہیں۔ اگر آپ کے اندازے بھی غلط ثابت ہوں تو بھارت ماتا کا کیا بنے گا؟

جنرل چودھری: اگر آپ جنگ ختم کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو منع نہیں کروں گا۔ لیکن اگر بھارت کی فوج نے آپ کی توقعات پوری نہیں کیں۔ تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

شاستری: جنرل صاحب! آپ جانتے ہیں کہ ہم آپ کو ناراض نہیں کر سکتے۔ لیکن آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ آپ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی یہ اعلان کر دیا تھا کہ لاہور پہلے دن ہی فتح ہو جائے گا اور آپ کی فوج دوپہر کا کھانا وہیں کھائے گی۔

اندرا گاندھی: جنرل صاحب! آپ نے یہ اعلان کیا تھا کہ آپ چھ ستمبر کے دن لاہور جم خانہ میں شراب اُڑائیں گے۔

کرشنم اچاری: اور میری موجودگی میں آپ نے نندہ جی سے وعدہ کیا تھا کہ آپ اُن کے دسترخوان کے لئے ہر روز قصور کی تازہ میتھی کے پارسل روانہ کیا کریں گے۔

یہاں تک مجھے یاد ہے آپ جنگ کے دوسرے یا تیسرے دن قصور پر بھی بھارت کا جھنڈا لہرانے کا پروگرام بنا چکے تھے۔ چوان جی کہتے پھرتے تھے کہ لاہور سے چند گھنٹے بعد سیالکوٹ بھی فتح ہو جائے گا اور وہ کھیلوں کے سامان کے لدے ہوئے ٹرک منگوائیں گے اور دہلی کے سکولوں میں مفت تقسیم کریں گے۔

شاستری: جرنیل صاحب! آپ کو معلوم ہے کہ لاہور کی فتح کی خبر سُن کر ہزاروں آدمی جے ہند کے نعرے لگاتے ہوئے انار کلی اور مال روڈ کی دوکانیں لوٹنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اُن پر کیا گزری تھی اور سیٹھ بدری پرشاد اور رام چند نے لاہور کا غلّہ اُٹھانے کے لئے جو ٹرک بھیجے تھے۔ اُن پر کیا لادا گیا تھا؟

جنرل چودھری: (برہم ہو کر) میں پوچھ سکتا ہوں کہ ان سوالات کا فوج کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

نندہ: جرنیل صاحب! ان سوالات کا فوج کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جو قافلے آپ کے ہاتھوں فتح ہونے والے لاہور کو لوٹنے گئے تھے وہ لاہور سے چودہ میل دُور پاکستان کی گولیوں کا سامنا کر رہے تھے اور ان کے سامنے بھارت کے سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ

کی فوج نے سیٹھ بدری پرشاد اور اوم چند جی کو مایوس نہیں کیا اور ان کے ٹرک لاشوں سے بھر کر واپس کر دیے تھے۔

جنرل چودھری: کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ لاشیں بھارت کے سیناپتی کو اپنے کندھے پر اُٹھا کر واپس لانی چاہیئے تھیں۔

چون: مائی ڈیر جرنیل! ان کا مطلب آپ کو طعنے دینا نہیں۔ یہ صرف آپ کی ناکامی کی وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

جنرل چودھری: مہاراج میری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ میں بھارت کی فوج کا سیناپتی ہوں اور بھارت کی فوج خالص بھارتی ہے اور بھارت کے مقابلے میں پاکستان کی فوج خالص پاکستانی ہے۔ اس لئے اگر ہمیں خالص بھارتی حملے کا خالص پاکستانی جواب ملا ہے تو آپ مجھے قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اگر آپ میری بجائے میری فوج کے افسروں اور سپاہیوں سے اس ناکامی کی وجہ پوچھ لیتے۔ تو آپ کو میرا وقت ضائع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

چون: اور آپ کے افسر اور سپاہی کیا کہتے ہیں؟

جنرل چودھری: مہاراج! وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے یہ جنگ خالص فوجی اصولوں کے تحت لڑی ہے اور پاکستانی! اتنے بے ڈھب ہیں کہ انہوں نے کسی محاذ پر بھی ان اصولوں کی پروا نہیں کی۔

شاستری: اور وہ اصول کیا ہیں جنہیں پلّے باندھ کر آپ نے بھارت کی عزت خاک میں ملا دی ہے اور جن سے بے پروا ہو کر پاکستانی فوج نے لاہور، سیالکوٹ اور قصور کو بچا لیا ہے؟

جنرل چودھری: مہاراج! اگر آپ میرا مذاق اُڑانا چاہتے ہیں تو میں یہاں ایک منٹ بھی ٹھہرنا پسند نہیں کروں گا۔ لیکن اگر آپ معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ تو میں آپ کو سمجھا سکتا ہوں۔

چون: جرنیل صاحب آپ ہمیں بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم اس معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ آپ کو یہ خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ ہم میں سے کوئی حیدر آباد اور گوا کے فاتح کے ساتھ مذاق کر سکتا ہے۔

جنرل چودھری: (قدرے مطمئن ہو کر) جنگ کا پہلا اصول یہ ہے کہ اگر مقابلہ کرنے والے کی پوزیشن کمزور ہو تو وہ ہمیشہ پسپا ہو کر یا ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور حملہ کرنے والا ہمیشہ اپنی طاقت سے فائدہ اُٹھا کر اس وقت تک آگے بڑھتا چلا جاتا ہے جب تک کہ اُس کے راستے میں کوئی خطرناک رُکاوٹ نہ آ جائے۔ لیکن پاکستان کی فوج نے ہر محاذ پر اس اصول کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کی پوزیشن جس قدر کمزور ہوتی ہے، اسی قدر وہ جم کر لڑتی ہے۔ پاکستان کا سپاہی اس وقت بھی لڑتا ہے جب کہ اُسے چاروں طرف موت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی پلاٹون ہماری کمپنی، اُن کی کمپنی ہماری بٹالین ہمارے بریگیڈ کے سامنے بھی ڈٹ جاتی ہے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موت ان کے لئے ایک کھیل ہے۔ بموں اور گولیوں کی بارش کو وہ پھولوں کی بارش سمجھتے ہیں۔ پسپا ہونا اور ہتھیار ڈالنا تو انہیں سکھایا ہی نہیں گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ .... (جنرل چودھری خاموش ہو جاتا ہے)

شاستری : جرنیل صاحب! آپ خاموش کیوں ہو گئے۔

جنرل چودھری : مہاراج اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم خود ہتھیار ڈالنے اور پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

چون : اور آپ پسپا کیوں ہوتے ہیں۔ اگر پاکستانی موت کو کھیل سمجھتے ہیں تو آپ اُن کا شوق پورا کیوں نہیں کرتے؟

جنرل چودھری : مہاراج! بھارت کے سپاہی اس لئے پسپا ہوتے ہیں کہ وہ موت کو ایک کھیل نہیں سمجھتے۔

رادھاکرشنن : تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب پاکستان کے سپاہی موت سے بے پروا ہو کر لڑتے ہیں تو بھارت کے سپاہی موت سے خوفزدہ ہو کر بھاگ اُٹھتے ہیں۔ یعنی پاکستان کے سپاہیوں کے حصے کا خوف بھارتی سپاہیوں کے حصے آجاتا ہے۔

جنرل چودھری : میرا مطلب یہی ہے مہاراج! جنگ کا دوسرا اصول یہ ہے کہ کسی فوج کو فتح کی اُمید صرف اس وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ اُس کے پاس دشمن کا مقابلہ کرنے کے وسائل موجود ہوں۔ لیکن پاکستان کے سپاہی ہمارا حملہ روکنے یا ہم پر حملہ کرتے وقت یہ سوچنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے کہ ہمارے ٹینکوں کے مقابلے میں ان کے ٹینکوں اور ہماری توپوں مشین گنوں اور ہوائی جہازوں کے مقابلے میں ان کے ٹینکوں، توپوں، مشین گنوں اور ہوائی جہازوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ ہر حال میں آخری وقت تک اس اُمید اور یقین کے ساتھ لڑتے ہیں کہ فتح صرف اُن کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی موت کو بھی فتح

سمجھتے ہیں۔ اور آپ سب کو یہ سن کر صدمہ ہوگا کہ ...... میرا مطلب ہے کہ آپ اپنے سیناپتی کی زبان سے یہ سننا پسند نہیں کریں گے کہ ...... یہی اُمید اور یقین بالآخر ان کی شکست کو فتح سے بدل دیتا ہے ـــــ پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ......

رادھاکرشنن : پھر آپ کیا دیکھتے ہیں جرنیل صاحب؟

جنرل : کچھ نہیں مہاراج! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اگر میں سچی بات کروں تو آپ مجھے پاگل خیال کریں گے۔ (شاستری کی طرف متوجہ ہو کر) پردھان منتری جی! اگر آپ بھارت کے سیناپتی ہوتے۔ اور آپ یہ دیکھتے کہ آپ کے ٹینک لاہور کی سڑک پر بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوتا کہ لاہور صرف تیرہ چودہ میل دور رہ گیا ہے تو آپ کیا سوچتے؟

شاستری : میں اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا۔ پھر ٹینکوں کی رفتار معلوم کرنے کے بعد یہ اندازہ لگاتا کہ مجھے لاہور پہنچنے میں کتنے منٹ لگیں گے۔

جنرل چودھری : مہاراج اگر آپ کی گھڑی پر صبح دس بجے کا وقت ہوتا اور آپ یہ دیکھتے کہ سڑک کے کنارے ایک لکڑی کا چھکڑا کھڑا ہے جس پر گھاس وغیرہ لدی ہوئی ہے۔ اور پھر اچانک آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ لکڑی کا یہ چھکڑا فولاد کے ٹینکوں سے زیادہ خطرناک ہے تو آپ کی کیا حالت ہوتی؟

چون :
رادھاکرشنن : (ایک ساتھ) لکڑی کا چھکڑا!
شاستری :

جنرل چودھری : ہاں جناب لکڑی کا چھکڑا۔ آپ کو جنرل نرنجن پرشاد نے یہ نہیں بتایا کہ ہمارے دو ٹینک ایک لکڑی کے چھکڑے کی فائرنگ سے تباہ ہوئے تھے ؟

کرشنم اچاری : جنرل صاحب! اگر آپ مذاق نہیں کرتے میرا مطلب ہے کہ اگر لکڑی کا چھکڑا دو ٹینک تباہ کر سکتا ہے تو ہمیں سب سے پہلے چھکڑے جمع کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔

چون : کرشنم اچاری ہر وقت بجٹ کے متعلق سوچتے ہیں۔ بھلا لکڑی کا چھکڑا ٹینک کیسے تباہ کر سکتا ہے ؟

جنرل : مہاراج! میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستانی فوج کے کسی افسر نے ہمارے ٹینک دیکھے۔ اور ٹینکوں کے ساتھ اس نے یہ دیکھا کہ ہماری انفنٹری آگے بڑھ رہی ہے۔

اندرا گاندھی : پھر کیا ہوا ؟

جنرل چودھری : پھر انٹی ٹینک گن نے یکے بعد دیگرے دو فائر کئے اور آن کی آن میں ہمارے دو ٹینک تباہ کر دئے۔ پھر باقی ٹینکوں کو آگے جانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اور مشین گن کی گولیوں کی بارش میں ہماری انفنٹری کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔

شاستری : لیکن انٹی ٹینک کا چھکڑے کے ساتھ کیا تعلق تھا ؟

جنرل چودھری : (بلند آواز میں) انٹی ٹینک چھکڑے کے اُوپر لدی ہوئی تھی مہاراج! اور گھاس اُس کے اُوپر ڈال دی گئی تھی۔ صرف نالی کا آخری سرا گھاس سے باہر تھا۔

جو ہمارے سپاہیوں کو نظر نہیں آ سکا۔

کرشنم اچاری : اور اس چھکڑے پر لدی ہوئی انٹی ٹینک نے ہمارے دو ٹینک تباہ کر دئے ؟

جنرل چودھری : ہاں مہاراج! یہ ایک انہونی بات تھی۔ میں نے دنیا بھر کی جنگوں کے حالات پڑھے ہیں۔ لیکن میری نظر سے کوئی ایسا واقعہ نہیں گزرا کہ لکڑی کے چھکڑے سے فولاد کے ٹینکوں کو تباہ کرنے کا کام لیا گیا ہو۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمارے باقی ٹینک پیچھے ہٹ گئے۔ ورنہ پاکستانی شاید ہمارے ایک دو اور ٹینک تباہ کر ڈالتے۔

کرشنم اچاری : اگر لکڑی کا چھکڑا اس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو ہمیں اتنے قیمتی ٹینک خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آپ کو ایک ٹینک کے بدلے پانچ سو چھکڑے دے سکتے ہیں۔ اس طرح ہم جنگ بھی جیتیں گے۔ اور زرِ مبادلہ بھی بچائیں گے۔ بھارت میں لکڑی کے چھکڑوں اور گھاس کی کمی نہیں۔

جنرل چودھری : چھکڑے تو بہت ہیں مہاراج! لیکن آپ ایسے آدمی کہاں سے لائیں گے جو بموں کی بارش میں کھڑے ہو کر اس قسم کی باتیں سوچ سکتے ہوں۔

شاستری : پاکستان ایسے آدمی کہاں سے لاتا ہے ؟

جنرل چودھری : پاکستان ایسے آدمی باہر سے نہیں لاتا مہاراج! جس طرح کوئٹہ میں انگور، کشمیر میں زعفران، اور قصور میں وہ سبزی میں تام بھول

گیا۔ وہ کون سی سبزی تھی نندہ جی ۔۔۔۔ ؟

کرشنم اچاری : (اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے) میتھی۔ (اندرا گاندھی ہنستی ہے اور باقی سب نندہ کی طرف دیکھتے ہیں ۔)

جنرل چودھری : ہاں ہاں میتھی۔ نندہ جی کہتے تھے کہ میتھی بھارت میں بھی اگتی ہے لیکن قصور کی میتھی کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس کی چند سوکھی پتیاں بھی ہنڈیا میں ڈال دی جائیں تو سارا محلہ مہک اُٹھتا ہے ــــ (نندا کے سوا باقی سب ہنستے ہیں) اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قصور میں خاص قسم کی میتھی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح پاکستان میں وہ سپاہی پیدا ہوتے ہیں جو آخری وقت تک لڑتے ہیں۔ اور بدترین حالات میں بھی جنگ کا پانسہ پلٹ دیتے ہیں۔

چوان : لیکن ہم اس کی وجہ پوچھنا چاہتے ہیں۔

جنرل چودھری : جناب مجھے اس کی وجہ بھی معلوم ہے لیکن میں آپ کا مورال خراب نہیں کرنا چاہتا۔

رادھا کرشنن : آپ وجہ بتائیں اور ہمارے مورال کی فکر نہ کریں۔

جنرل چودھری : میں پاکستان کے ایک جنگی قیدی سے باتیں کر چکا ہوں جو زخمی ہونے کے بعد سسک رہا تھا۔ اُس نے میرے سوالات کے جواب میں یہ کہا تھا کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ اور ایک مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔

شاستری : اگر اُس نے ہتھیار ڈال دئے تھے تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ موت سے نہیں ڈرتا تھا۔

جنرل چودھری : مہاراج! اُس نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ بُری طرح زخمی ہونے ہونے کے بعد بھی میرے پانچ سپاہی ہلاک کر دئے تھے۔ اُسے اُس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب وہ خون سے لت پت تھا اور اُس کا بارود ختم ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ فرض کرو کہ اگر تم چند دنوں تک تندرست ہو جاؤ اور ہم تمہیں قید سے آزاد کر دیں تو تم کیا کرو گے ؟ تو اُس نے جواب دیا۔ میں زیادہ بارود لے کر واپس آؤں گا اور یہ احتیاط کروں گا کہ میری کوئی گولی رائیگاں نہ جائے۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ وہ صرف چند گھڑیوں کا مہمان ہے۔ میں نے پوچھا کہ مرنے سے پہلے تمہاری کوئی ایسی خواہش ہے جسے ہم پورا کر سکیں تو اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔ اس وقت میری صرف ایک خواہش ہے لیکن تم اُسے پورا نہ کر سکو گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ موت کے بعد میری لاش پانی پت کے میدان میں دفن کر دی جائے۔ میں نے حیران ہو کر اس کی وجہ دریافت کی تو وہ بولا۔ پانی پت کا میدان دہلی کے راستے کی ایک اہم منزل ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب پاکستان کا لشکر وہاں پہنچے تو میری روح اُن کا استقبال کرنے کے لئے موجود ہو ــــ میں نے کہا بیوقوف! تمہیں اب بھی یہ اُمید ہے کہ ہم پاکستان کے لشکر کو پانی پت کی طرف بڑھنے دیں گے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ میرے چار بیٹے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ پانی پت کا رُخ کرنے والی فوج کے ساتھ آئیں گے۔ اور اگر وہ نہ آ سکے تو میری دوسری، تیسری یا چوتھی نسل کا کوئی نہ کوئی جوان ضرور پہنچے گا پھر میرے ساتھ ان غازیوں اور شہیدوں کی رُوحیں اُن کا استقبال کریں گی جو پانی پت کی تیسری جنگ

ہیں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ تھے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ تمہارے مظالم بہت جلد پاکستان کے دس کروڑ انسانوں کو احمد شاہ ابدالی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ اور تمہارا انجام وہی ہوگا جو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا ہُوا تھا۔

چون: اور آپ نے اُس کا گلا کیوں نہ گھونٹ دیا جرنیل صاحب!

جنرل چودھری: مجھے اس کا گلا گھونٹنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ مر رہا تھا۔

چون: لیکن آپ نے اُسے باتیں کرنے کی اجازت کیوں دی؟

جنرل: اگر میں اُسے باتیں کرنے کی اجازت نہ دیتا تو آج آپ کے اس سوال کا جواب نہ دے سکتا کہ پاکستان کے سپاہی بھارت کے سپاہیوں سے مختلف کیوں ہیں۔ وہ آخری وقت تک پُر اُمید کیوں رہتے ہیں اور موت سے کیوں نہیں ڈرتے۔

اندرا گاندھی: اگر میرے پتاجی کے سامنے کوئی پاکستانی ایسی باتیں کرتا تو وہ اس سے یہ پوچھتے کہ تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم مرنے کے بعد پانی پت کے میدان میں پاکستان کے سپاہیوں کا استقبال کر سکو گے۔

جنرل چودھری: شریمتی جی! یہ بات میں نے بھی پوچھی تھی لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ جو شہید ہوتے ہیں وہ مرتے نہیں بلکہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ مرتے وقت اس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے پانی پت میں دفن نہیں کرو گے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مرنے کے بعد میری روح

تمہاری قید سے آزاد ہو جائے گی۔ اور میں ماضی کے اَن گنت شہیدوں کے ساتھ ان میدانوں کا طواف کیا کروں گا جن کی خاک میں مسلمانوں کی غیرت اور شجاعت کی داستانیں دفن ہیں۔ میں ان قافلوں کی راہ دیکھا کروں گا جو کسی نئے غزنوی یا ابدالی کی راہنمائی میں پاکستان کی سرحد سے نمودار ہوں گے اور بھارت کے ان کروڑوں انسانوں کو امن کا پیغام دیں گے جو اٹھارہ سال سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔

شاستری: آپ نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ بھارت کی آبادی پاکستان سے چار گنا زیادہ ہے اور ہماری افواج ہمارے ٹینکوں، ہوائی جہازوں، توپوں اور دوسرے ہتھیاروں کی تعداد بھی اُن کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔

جنرل چودھری: میں نے اُسے بتایا تھا مہاراج! میں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ بھارت اور پاکستان کا مقابلہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ ہے۔

شاستری: پھر اُس کی کیا حالت تھی؟

جنرل چودھری: وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا مہاراج!

رادھا کرشنن: وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا؟ آپ کا مطلب ہے کہ اس کا مورال ڈاؤن نہیں ہُوا تھا؟

جنرل چودھری: میرا یہی مطلب ہے مہاراج! وہ صرف اُٹھ کر ہی نہیں بیٹھ گیا تھا بلکہ مُسکرا بھی رہا تھا۔ اور میرے لئے اُس کی مسکراہٹ انتہائی تکلیف دہ تھی۔

کرشنم اچاری: جنرل صاحب! یہ آپ کی غلطی تھی۔ اُس نے یہ سمجھا ہوگا کہ آپ ناق

کر رہے ہیں۔ آپ کو ہاتھی کے مقابلے میں چیونٹی کی بجائے کسی ایسے جانور کا ذکر کرنا چاہیئے تھا جو قد یا وزن میں ہاتھی سے چار یا پانچ گنا کم ہو۔ میرا مطلب ہے کہ بھارت کے ہاتھی کے مقابلے میں آپ پاکستان کو گھوڑا یا اونٹ تو کہہ سکتے ہیں لیکن چیونٹی نہیں کہہ سکتے۔ کیوں چون جی آپ کا کیا خیال ہے؟

چون : اچاری جی! بھگوان کے لئے بار بار ہاتھی کا ذکر نہ کیجئے!

اندرا گاندھی : جنرل صاحب! آپ بھی ہاتھی کا ذکر نہ کریں۔

نندہ : ہاتھی کو گولی مارو جی! ہم کام کی بات کرتے کرتے ایک فضول بحث میں الجھ گئے ہیں۔ جنرل صاحب آپ یہ بتائیں کہ اس کی مسکراہٹ کی وجہ کیا تھی؟

جنرل چودھری : مہاراج میں نے اس کی وجہ پوچھی تھی لیکن آپ کو نہیں بتا سکتا۔ مجھے ڈر ہے کہ ..... آپ کا مورال ——

شاستری : ہمارے مورال کو گولی مارو۔ ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ اس نے کیا کہا تھا۔

جنرل چودھری : مہاراج اُس نے یہ کہا تھا کہ پاکستان کے باشندوں کو بھارت کے قد کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ایک بڑی لاش کے لئے صرف ایک بڑی قبر کی ضرورت ہے۔ پھر اُس نے ایک ایسی بات کہی تھی جس سے میرا دل بھی دہل گیا تھا۔

اندرا گاندھی : کیا کہا تھا اُس نے؟

جنرل چودھری : شریمتی جی! میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔

سورن سنگھ : جنرل صاحب! آپ کہیئے۔ شریمتی جی ہرگز پریشان نہیں ہوں گی۔

جنرل چودھری : لیکن مجھے ڈر ہے کہ چون جی ضرور پریشان ہوں گے۔

چون : جنرل صاحب! آپ یہ بات ختم کریں اور میری فکر نہ کریں۔ میں نے پریشان ہونا چھوڑ دیا ہے۔

جنرل چودھری : اس نے کہا تھا کہ بھارت ہاتھی نہیں ایک بڑا سانپ ہے۔ ہم اس سانپ کو زخمی کر چکے ہیں اور جب سانپ زخمی ہوتا ہے تو چیونٹیاں اُسے زندہ نہیں چھوڑتیں۔ وہ اپنے بل میں پناہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن چیونٹیاں وہاں بھی اس کا پیچھا کرتی ہیں۔ وہ تڑپتا اور پھنکارتا ہے۔ اور اپنے جسم کے زخمی حصے کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور پھر چیونٹیوں سے زیادہ اس کا اپنا زہر اس کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

شاستری : اور تم اطمینان سے یہ ساری باتیں سُن رہے تھے؟

جنرل چودھری : نہیں مہاراج! مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک بھیانک سپنا دیکھ رہا ہوں۔ اگر چون جی مجھے یہ حکم نہ دیتے کہ میں جنگی قیدیوں سے مل کر دشمن کے مورال کا پتہ لگاؤں تو میں اُس کے پاس جانے کی غلطی نہ کرتا۔

اندرا گاندھی : جنرل صاحب دشمن سے لڑنا اور اُس کے دل کا حال معلوم کرنا اشد ضروری ہے۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو اُس زخمی سے یہ معلوم کرنے

کی کوشش کرتی کہ پاکستان کے محکمہ دفاع کا وہ کونسا شعبہ ہے جہاں سپاہیوں کو ایسی باتیں سکھائی جاتی ہیں۔ اور ایسے باتونی آدمی سے تو میں نے کئی اور فوجی راز معلوم کر لئے ہوتے۔

جنرل چودھری : شریمتی جی! وہ باتونی نہیں تھا۔ اگر آپ اُس سے کوئی فوجی راز معلوم کرنے کی کوشش کرتیں تو آپ یہ دیکھتیں کہ اُس کے ہونٹوں پر مُہر لگا دی گئی ہے۔ مجھ سے پہلے فوج کے جن افسروں نے اُس سے پاکستان کے فوجی راز معلوم کرنے کی کوشش کی تھی وہ مجھ سے کہیں زیادہ پریشان ہوئے تھے۔ اُنہوں نے پاکستان کے ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی تھی اور اُنہیں یہ جواب ملا تھا کہ بھارت کے اتنے ٹینک اور اتنے ہوائی جہاز تھے اور ان میں سے اتنے تباہ ہو چکے ہیں اور اتنے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ اور آپ حیران ہوں گے کہ ہماری بری اور فضائی نقصانات کے متعلق اس کی معلومات سو فیصدی درست تھیں۔ پاکستان کے ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کے متعلق اُس نے ہمارے افسروں کو صرف یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ پاکستان کی بری اور فضائی قوت کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد ہم تمہیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکتے ہوئے جمنا کے پار لے جائیں گے۔ شریمتی جی! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اُس سے ملاقات کے بعد آپ میری نسبت بہت زیادہ پریشان ہوتیں۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ جب پاکستان کی نیوی دوارکا پر گولہ باری کر رہی تھی تو بھارت کا بحری بیڑہ کہیں سینکڑوں میل دُور ہمارے

طیارہ بردار جہاز وکرم کی حفاظت کر رہا تھا۔

ارجن سنگھ : میرے خیال میں یہ سوچنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہ تھی یہ بات ساری دنیا کو معلوم ہے کہ وکرم بھارت کی نیوی کا سفید ہاتھی ہے۔

چون : سفید ہاتھی کو گولی مارو جی، کوئی اور بات کرو۔

کرشنم اچاری : چون جی گولی مارنا اتنا آسان نہیں۔ ہم اس سفید ہاتھی پر کروڑوں روپیہ صرف کر چکے ہیں۔

چون : (جنرل چودھری سے) آج انہیں کالے اور سفید ہاتھیوں کے سوا اور کوئی بات نہیں سُوجھتی۔ آپ ہمیں یہ کیوں نہیں بتاتے کہ گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں ہمارے کتنے ٹینک اور ہوائی جہاز تباہ ہوئے ہیں اور ہم بھارت کو مزید نقصانات سے کیسے بچا سکتے ہیں؟

جنرل چودھری : میں آپ کو ٹینکوں کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ ہوائی جہازوں کے متعلق آپ کو ایئر مارشل ارجن سنگھ جی سے پوچھنا چاہیئے۔ لیکن ہماری معلومات کل شام کے چار بجے سے لے کر آج شام کے چار بجے تک کے چوبیس گھنٹوں کے متعلق ہوں گی۔

شاستری : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

جنرل چودھری : مہاراج! میرا مطلب یہ ہے کہ اب چھ بجنے والے ہیں اور ہم اپنے ہیڈکوارٹر سے پتہ کئے بغیر آپ کو یہ نہیں بتا سکتے کہ مزید دو گھنٹوں یعنی چار سے چھ بجے تک ہمارا کتنا نقصان ہوا ہے۔

کرشنم اچاری : سیناپتی جی! یہ معاملہ اتنا پیچیدہ نہیں۔ آپ پہلے یہ بتائیں کہ کل شام کے چار بجے سے لے کر آج شام کے چار بجے تک ہمارے کتنے ٹینک تباہ ہوئے ہیں۔ اس کے بعد مزید دو گھنٹوں کا حساب لگانے کے لئے ہم اس تعداد میں آٹھ یا نو فی صد اور جمع کر لیں گے۔

ارجن سنگھ : مہاراج! یہ ضروری نہیں کہ ان دو گھنٹوں کے نقصانات کا تناسب گزشتہ چوبیس گھنٹوں کے مطابق ہو۔ جنگ کے نقصانات کا تعلق وقت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ایک منٹ بھی پورے دن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گزشتہ دو گھنٹوں میں ہمارا ایک ٹینک یا ہوائی جہاز بھی تباہ نہ ہوا ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دو گھنٹوں کے نقصانات چوبیس گھنٹوں سے بھی زیادہ ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایک دن دشمن کے ایک ہواباز نے ایک منٹ سے بھی کم عرصے میں ہمارے پانچ جٹ ہوائی جہاز مار گرائے تھے۔

اندرا گاندھی : تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہیڈ کوارٹر پہنچ کر آپ کو یہ خبر ملے کہ گزشتہ دو گھنٹے میں بھارت کا سارا ہوائی بیڑہ تباہ ہو چکا ہے تو آپ حیران نہیں ہوں گے۔

ارجن سنگھ : شریمتی جی یہ ہو سکتا ہے کہ ایسی منحوس خبر سن کر میرا ہارٹ فیل ہو جائے لیکن میرے لئے اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ حیران تو صرف وہ ہو سکتا ہے جسے ہوائی جنگ کا کوئی تجربہ نہ ہو۔

اندرا گاندھی : آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے صرف ایک پاکستانی ہواباز کے ہاتھوں ہمارے پانچ ہوائی جہازوں کے تباہ ہونے کی خبر سنی تھی تو آپ حیران نہیں ہوئے تھے؟

ارجن سنگھ : شریمتی جی اس دن تو میں حیران ہی نہیں ہوا تھا بلکہ پاگل ہو گیا تھا اور میں نے غصے کی حالت میں اپنی وردی پھاڑ ڈالی تھی اور میری حیرانی اور غصے کی وجہ یہ تھی کہ میں دنیا بھر کی ہوائی جنگوں کے حالات سے واقف تھا لیکن میرے سامنے کوئی ایسی مثال نہ تھی کہ صرف ایک ہواباز نے ایک ہی حملے میں اپنے دشمن کے پانچ ہوائی جہاز گرا دئیے ہوں۔

شاستری : اور اب آپ اتنے تجربہ کار ہو چکے ہیں کہ اگر اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر آپ یہ خبر سنیں کہ بھارت کا پورا بیڑا غرق ہو چکا ہے تو آپ حیران نہیں ہوں گے!

ارجن سنگھ : مہاراج میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر بھارت کا بیڑا غرق ہو جائے تو مجھے راشٹرپتی پردھان منتری یا رکھشا منتری سے کم تکلیف ہوگی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تکلیف میں آپ کا حصہ دار بن سکتا ہوں، حیران نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ کو چنتا نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر گزشتہ دو گھنٹوں کے نقصانات ہمارے عام نقصانات سے زیادہ ہوئے تو میرا ہیڈ کوارٹر خاموش نہ رہتا اور اب تک مجھے کئی ٹیلیفون آ چکے ہوتے۔

شاستری : (جنرل چودھری سے) جنرل صاحب! اب آپ ٹینکوں کے متعلق بتائیں۔ اس کے بعد ایئر مارشل کی باری آئے گی۔

جنرل چودھری: گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں ہمارے چھتیس ٹینکوں کا نقصان ہوا ہے۔

کرشنم اچاری: چھتیس نہیں جنرل صاحب پینتیس کہئے۔ میں پاکستان ریڈیو سن چکا ہوں۔ انہوں نے پینتیس ٹینک تباہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔

جنرل چودھری: پاکستان ریڈیو کو صرف چونتیس ٹینک تباہ کرنے کا دعویٰ کرنا چاہیے تھا۔

چون: لیکن جنرل صاحب ابھی آپ چھتیس کہہ رہے تھے؟

جنرل چودھری: میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ (حاضرین ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔)

چھاگلہ: جنرل صاحب میں اس بحث میں حصہ لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ بہت تھک گئے ہیں۔

جنرل: آپ خاموش رہیں۔

چھاگلہ: سیناپتی جی میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ بھارت کے سیناپتی تھکاوٹ اور بے آرامی برداشت نہیں کر سکتے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چھتیس اور چونتیس میں دو کا فرق ہے یعنی تیس اور چار سے چونتیس اور تیس اور چھ سے چھتیس بنتے ہیں۔ (اندرا گاندھی ہنستی ہیں اور پھر جلدی سے ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیتی ہے)

جنرل چودھری: میں بھارت کا سیناپتی ہوں، پہلی جماعت کا طالب علم نہیں ہوں۔

چھاگلہ: مہاراج! اگر آپ خفا ہوتے ہیں تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔

کرشنم اچاری: اگر میرے کان غلطی نہیں کرتے تو دفاع منتری نے کوئی غلط بات نہیں کہی۔ جنرل صاحب آپ کو معلوم ہے کہ حساب میں دو ٹینکوں کی غلطی سے ساڑھے پندرہ لاکھ روپے کا فرق پڑ جاتا ہے۔

جنرل: آپ کے کانوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ لیکن آپ کو بولنے سے پہلے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ پاکستان کی گولہ باری سے ہمارے چونتیس ٹینک تباہ ہوئے تھے اور ایک ٹینک کو غلطی سے ہمارے اپنے ہی ٹینک نے تباہ کر دیا تھا۔

چون: یہ غلطی کیسے ہوئی؟

جنرل: مہاراج رات کے وقت دشمن نے ہمارے ٹینکوں کے ایک دستے پر اچانک حملہ کیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں نے جوابی فائرنگ شروع کی تو انہیں یہ خیال نہ آیا کہ ہمارے ایک ٹینک کی توپ کی نالی کا رُخ ہمارے دوسرے ٹینک کی طرف ہے۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس اُس وقت ہوا جب دس گز کے فاصلے پر ہمارے دوسرے ٹینک کے پرخچے اُڑ چکے تھے۔ لیکن دشمن نے اس ٹینک کی تباہی کو بھی اپنا ہی کارنامہ سمجھ لیا ہے۔

شاستری: لیکن آپ تو یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے چھتیس ٹینک تباہ ہوتے ہیں۔

جنرل چودھری: میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔

شاستری : جنرل صاحب آپ واقعی تھک گئے۔ ورنہ چونتیس اور ایک پینتیس
بنتے ہیں چھتیس نہیں بنتے۔

جنرل چودھری : مہاراج آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان چونتیس
ٹینکوں کے علاوہ جو دشمن نے تباہ کئے ہیں ایک وہ ہے جس کا میں ذکر
کر چکا ہوں۔ دوسرا وہ ہے جسے ایک افسوسناک حادثہ پیش آ گیا
تھا۔

چون : کیسا حادثہ ؟

جنرل : ہمارا ایک جٹ بمبار دشمن کے علاقے پر بم گرانے کے بعد واپس آ رہا
تھا۔ سرحد کے پاس دشمن کے ایک لڑاکا ہوائی جہاز نے اس پر گولیاں
برسائیں۔ ہوا باز نے جالندھر کے ہوائی اڈے کا رُخ کیا لیکن ہوائی جہاز
کو آگ لگ گئی۔ ادھر جالندھر کے قریب سڑک پر ہمارے ٹینک اور ٹرک
جا رہے تھے۔

شاستری : پھر کیا ہوا ؟

جنرل چودھری : پھر یہ جلتا ہوا ہوائی جہاز سیدھا ایک ٹینک پر گرا اور ٹینک
کے ساتھ بارود سے بھرے ہوئے چار ٹرک بھی تباہ ہو گئے۔

شاستری : ارجن سنگھ جی! اب آپ جہازوں کے متعلق بتائیں۔ کیا پاکستان
ریڈیو کی یہ اطلاع درست ہے کہ گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں ہمارے
سات ہوائی جہاز تباہ ہوئے ہیں۔

ارجن سنگھ : مہاراج! سرکاری طور پر ہم نے صرف اپنے ایک ہوائی جہاز کا نقصان

تسلیم کیا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہمارے آٹھ ہوائی جہاز تباہ
ہوئے ہیں۔

شاستری : وہ کیسے ؟

ارجن سنگھ : وہ یوں کہ ہمارے ایک ہوا باز نے بھارت کے امرتسر کو پاکستان
کا لاہور، یا گوجرانوالہ سمجھ کر بمباری شروع کر دی تھی۔

چون : آپ کا مطلب ہے کہ جس طرح ہمارے ایک ٹینک نے ہمارے دوسرے
ٹینک کو تباہ کر دیا تھا۔ اسی طرح ہمارا ایک ہوائی جہاز بھی امرتسر کے ہوائی
اڈے پر بم برسا کر ہمارے دوسرے ہوائی جہاز کو نشانہ بنا چکا
ہے ؟

ارجن سنگھ : نہیں مہاراج! یہ ہماری خوش قسمتی تھی اس ہوائی جہاز کا کوئی نشانہ
ٹھیک نہیں لگا۔ اس کے سارے بم ہوائی اڈے سے دو ہزار گز دور
ایک کھیت میں گرے تھے۔

شاستری : پھر کیا ہوا ؟

ارجن سنگھ : پھر کیا ہونا تھا مہاراج! جب اوپر سے اچانک بمباری شروع ہوئی تو
نیچے سے امرتسر کے ہوائی اڈے کی طیارہ شکن توپیں حرکت میں آ
گئیں اور وہ گر پڑا۔ اور گرا بھی اس طرح کہ ہماری ایک توپ، ایک پٹرول
کی گاڑی اور پندرہ آدمی جن میں آٹھ سویلین اور پانچ فوجی تھے اس کی
زد میں آ گئے۔

چون : اور نیچے سے گولہ باری کرنے والوں نے یہ دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس

نہ کی وہ اپنے ہی بمبار کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

ارجن سنگھ : جناب اگر وہ ہوا باز جنہوں نے امرتسر کو پاکستان کا شہر سمجھ کر بمباری شروع کر دی تھی زندہ ہوتے اور میرے پاس یہ شکایت لے کر آتے تو انہیں یہ جواب دیتا کہ جب تم امرتسر کا ہوائی اڈہ نہ پہچان سکے تو ہوائی اڈے کے محافظ تمہارا ہوائی جہاز کیسے پہچان سکتے تھے ؟

شاستری : تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ہوا باز کسی دن دہلی کو راولپنڈی اور بمبئی کو کراچی سمجھنے کی غلطی بھی کر سکتے ہیں ؟

ارجن سنگھ : نہیں جناب ! دہلی اور بمبئی تو پاکستان کے راستے میں نہیں آتے ۔ البتہ مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر کو اس قسم کا خطرہ ضرور پیش آ سکتا ہے ہاں اگر ہمارے بمبار مدراس سے پاکستان کا رُخ کریں تو ایسی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

چوان : لیکن آپ کس مرض کی دوا ہیں ؟

ارجن سنگھ : مہاراج ! میرا کام آپ کی ہدایات کے مطابق اپنے ہوا بازوں کو حکم دینا ہے لیکن مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جب وہ امرتسر کو لاہور یا پاکستان کا کوئی اور شہر سمجھ کر اندھا دھند بمباری شروع کر دیں تو میں اُن کے نیچے کھڑا ہو کر چھتری تان دوں۔

چوان : لیکن آپ امرتسر کے شرمناک واقعہ کا بار بار ذکر کیوں کرتے ہیں ؟

ارجن سنگھ : مہاراج میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں ۔ میں صرف صحیح واقعات

بیان کر رہا ہوں ۔ یہ میری بد قسمتی ہے کہ فضائی جنگ میں ، میں نے آپ کی بلند توقعات پوری نہیں کیں ۔

شاستری : تم نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے ۔ تم نے ان ہوا بازوں کو ویر چکر دلوائے ہیں جن کا ایک بم بھی نشانے پر نہیں لگا ۔

کرشنم اچاری : ہمارے ایئر مارشل بھارت کے خزانے کو ڈاکوؤں کا مال سمجھتے ہیں لیکن میں ان ہوا بازوں سے ایک ایک کوڑی کا حساب لوں گا جنہوں نے انعام حاصل کرنے کے شوق میں پورے ملک کو بے وقوف بنایا ہے ۔

ارجن سنگھ : مہاراج اگر انہیں انعامات کا لالچ نہ ہو تو وہ سارے بم کھیتوں میں پھینک کر واپس آ جائیں گے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پاکستان کے کھیتوں کی بجائے بھارت کے کھیتوں پر ہی نشانہ بازی شروع کر دیں۔

شاستری : سردار جی ! مجھے بھارت کے کھیتوں کی فکر نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ جو بم کھیتوں میں پھینکے جائیں گے وہ بھارت کے شہروں پر گریں گے ۔

ارجن سنگھ : نہیں مہاراج ! آپ کو اس بات کی چنتا نہیں کرنی چاہیئے ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہوا باز بلندی سے کسی بھارتی شہر کو پاکستانی شہر سمجھ کر بم گرائیں اور اُن کا نشانہ شہر کی بجائے پاس ہی کسی فوجی ٹھکانے پر جا لگے ۔ لیکن جب وہ بھارت کے کھیتوں پر اپنے جہاز خالی کرنے کی کوشش کریں گے تو اُنہیں دشمن کا خوف نہیں ہو گا اور وہ بلندی کی بجائے

بہت نیچے اتر کر نہایت اطمینان سے کھیتوں کو نشانہ بنائیں گے۔ پھر یہ اور بات ہے کہ کھیتوں میں کسی گائے بیل یا بھینس کی شامت آجائے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان کا نشانہ کھیت کی بجائے کسی گاؤں یا شہر میں جا لگے۔

چون: تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم آپ کے ہوا بازوں کو ویر چکر دیں تو اُن کے بم پاکستان کے کھیتوں پر گریں گے۔ ورنہ ہمارے اپنے کھیتوں میں چرنے والے مویشیوں کی شامت آجائے گی۔ لیکن تم جنگ شروع ہونے سے پہلے ہمیں یہ تسلی دیا کرتے تھے کہ پاکستان کی فضائی قوت چوبیس گھنٹوں میں تباہ ہو جائے گی۔

ارجن سنگھ: اور آپ بھی تو یہ کہا کرتے تھے کہ جب بھارت کا لشکر لاہور کی طرف پیش قدمی کرے گا تو پاکستان کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ لیکن اب.....

شاستری: اب کیا؟

ارجن سنگھ: اب پاکستان مقابلہ کر رہا ہے جناب! اور پاکستان صرف مقابلہ ہی نہیں کر رہا بلکہ جوابی حملے بھی کر رہا ہے۔ اور جوابی حملے بھی ایسے کہ اُن کی مثال پوری تاریخ سے نہیں ملتی۔

نندہ: چون جی! اپنے ایر مارشل کو سمجھائیے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ ہم پاکستان کو جوابی کاروائی سے منع کر سکتے ہیں۔

شاستری: (جنرل چودھری سے) جنرل صاحب آپ ہمارے سینا پتی

ہیں۔ کیا ہم نے آپ کو پاکستان کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ سپاہی، ان کے ٹینکوں اور توپوں کے مقابلے میں زیادہ ٹینک اور توپیں نہیں دیں۔ کیا ہم نے وہ تمام گولہ اور بارود تمہارے سپرد نہیں کر دیا جو ہمیں امریکہ اور برطانیہ نے چین جیسے طاقتور ملک کے ساتھ لڑنے کے لئے دیا تھا۔ کیا ہم نے اپنے ننگے اور بھوکے عوام پر اَن گنت ٹیکس لگا کر فوجی اخراجات پورے نہیں کئے؟ آپ یہ کہتے تھے کہ ہندوستانی فوج کی پہلی ضرورت شراب ہے۔ کیا ہم نے تمہیں لاکھوں گیلن شراب مہیا نہیں کی؟

جنرل: جناب میں نے درست کہا تھا اگر آپ میرے سپاہیوں کو شراب مہیا نہ کرتے تو ان کی پسپائی کی رفتار کہیں زیادہ ہوتی۔

نندہ: جنرل صاحب مجھے یہ سمجھائیے کہ ہمارے سپاہیوں کو شراب کے نشے میں بھی یہ کیسے یاد رہتا ہے کہ اُن کے لئے آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا بہتر ہے؟

جنرل: جناب شراب کے نشے میں کسی کو اپنے گھر کا راستہ تو نہیں بھول جاتا۔ اور ہندوستانی سپاہیوں کے گھر ہندوستان میں ہیں۔ اگر جان کا خطرہ ہو تو شراب کی دس بوتلیں پی کر بھی گرتے سنبھلتے اپنے گھر ضرور پہنچ جائیں گے۔

بھارت کا وزیر تعلیم مسٹر چھاگلہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ راشٹرپتی پردھان منتری اور دوسرے وزرا پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

چھاگلہ : (شاستری سے) مہاراج! یہ باتیں تو بہت مایوس کن ہیں۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ سیناپتی جی اور ایر مارشل ارجن سنگھ کوئی اچھی خبر سنانے کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔

نندہ : میں بھارت کے چھتیس ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی تباہی پر کیسے خوش ہو سکتا ہوں مہاراج! لیکن آپ جانتے ہیں کہ فتح قربانیوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں نے آج باری باری دس ملکوں کے سفیروں اور آٹھ بدیشی اخبارات کے نمائندوں سے ملاقاتیں کی ہیں، اُن میں سے اکثر کا یہی خیال تھا کہ چند دن کے اندر اندر بھارت کی فتح یقینی ہے۔ عرب ملکوں کے سفیروں سے میں یہ اطمینان لے کر آیا ہوں کہ ڈاکٹر ذاکر حسین کا دورہ ہماری توقع سے زیادہ کامیاب رہے گا۔ لیکن مہاراج یہ جنگ اب زیادہ لمبی نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ سیناپتی اور ایر مارشل کو حکم دیں کہ وہ پاکستان کو اس پراپیگنڈا کا موقع نہ دیں کہ وہ بھارت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اگر دشمن کا یہ پراپیگنڈا کامیاب ہو گیا تو بڑے ملک جو دبی زبان سے ہماری حمایت کر رہے ہیں غیر جانبدار ہو جائیں گے اور چھوٹے ملک جو ابھی تک بھارت کی قوت سے مرعوب ہیں کھُل کر پاکستان کی حمایت کریں گے۔ اگر ہم دو تین دن میں پاکستان کو تباہ کر دیتے تو آج کسی بدیشی ملک کو پاکستان کے حق میں آواز بلند کرنے کا خیال بھی نہ آتا۔

چوان : مسٹر چھاگلہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے سیناپتی جی جان بوجھ کر یہ جنگ لمبی کر رہے ہیں؟

چھاگلہ : نہیں مہاراج! میں سیناپتی جی کے متعلق ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔

جنرل چودھری : مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ آپ میرے متعلق کیا سوچتے ہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جب تک میں بھارت کا سیناپتی ہوں آپ کو جنگ کے متعلق اپنی زبان بند رکھنی چاہیئے۔ بھارت کے فوجی معاملات سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔

چھاگلہ : سیناپتی جی میں دن رات آپ کی فتح کی دُعائیں مانگتا ہوں۔ ۶ر ستمبر کو جب میں نے یہ سنا تھا کہ آپ نے لاہور کے ہوائی اڈے پر قبضہ کر لیا ہے تو میں سڑک پر کھڑا ہو کر نعرے لگا رہا تھا۔

جنرل چودھری : میں اپنی حماقت کی سزا بھگت رہا ہوں۔ اب میں لاہور فتح کر لوں تو بھی بھارت کے عوام کو یقین نہیں آئے گا۔

چھاگلہ : لیکن عوام کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ابھی تک یہی سمجھتے ہیں کہ لاہور فتح ہو چکا ہے اور حکومت جان بوجھ کر سیناپتی جی کی شاندار کامیابیوں کی خبریں چھپا رہی ہے۔ ان کے جوش و خروش کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ لاہور کی فتح کے متعلق ۶ر اگست کے اخبارات کی خبریں غلط تھیں تو وہ اُسے پاکستان کا جاسوس سمجھ کر بوٹیاں نوچنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ انہوں نے رائٹر کے دفتر پر حملہ کر دیا تھا کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یہ غیر ملکی خبر رساں ایجنسی بھارت کی فتوحات پر پردے ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

شاستری : اور جب ان کو یہ معلوم ہو گا کہ ہم ابھی تک لاہور سے چودہ میل دُور ہیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

چھاگلہ: لوگوں کو یہ بات کبھی معلوم نہیں ہو گی مہاراج! مجھے یقین ہے کہ لاہور ضرور فتح ہو گا اور جب سیناپتی جی لاہور پر بھارت کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔ تو بھارت کے عوام یہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے کہ لاہور چھ ستمبر کو فتح ہُوا تھا یا اس سے دو چار ہفتے بعد فتح ہُوا تھا۔

چون: مسٹر چھاگلہ! آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ لاہور کب فتح ہوتا ہے۔ آپ ودیا منتری ہیں اور جب تک کشمیر کا جھگڑا موجود ہے آپ کی نوکری پکی ہے۔ آپ کو فوجی معاملات میں ٹانگ نہیں پھنسانی چاہیئے۔

(جنرل چودھری سے) سیناپتی جی! آپ ہمیں یہ بتائیں کہ اگر آپ ہمارے سپاہیوں کو پسپائی سے نہیں روک سکتے تو کیا انہیں یہ بھی نہیں سمجھا سکتے کہ وہ پیچھے ہٹتے وقت اتنی پھرتی سے کام نہ لیا کریں۔ آگے بڑھتے وقت وہ انچوں کا حساب رکھتے ہیں لیکن پیچھے بھاگتے وقت انہیں میلوں کا حساب یاد نہیں رہتا۔

جنرل چودھری: میں نے انہیں بہت سمجھایا ہے مہاراج! لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم آگے کی طرف دیکھتے ہیں تو موت ہمارے سامنے ہوتی ہے اس لئے ہمارے پاؤں رُک جاتے ہیں اور جب ہم پسپائی اختیار کر لیتے ہیں تو موت ہمارے پیچھے ہوتی ہے۔ اس لئے ہم پوری رفتار سے بھاگتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پسپائی سے پہلے ہمارے کندھوں پر اسلحہ کا بوجھ ہوتا ہے اور پسپائی کے وقت ہم اس بوجھ

سے آزاد ہوتے ہیں۔

چون: جنرل صاحب! میں نے آپ کو سمجھایا تھا کہ مجھے بھارت کے ٹینکوں کے لئے "کالے ہاتھیوں" کا نشان پسند نہیں۔ اس لئے یہ نشان بدل دیا جائے۔

جنرل: مہاراج! یہ نام اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ اسے بدلنا میرے بس کی بات نہ تھی اور سچی بات یہ ہے کہ میں اُسے ایک مذاق سمجھتا تھا۔

چون: لیکن میں نے آپ کو دوسری بار ٹیلیفون پر یہ بات سمجھائی تھی کہ مذاق نہیں کرتا۔

جنرل: مہاراج! اگر میں جنرل کی بجائے پینٹر ہوتا تو بھی میرے لئے آپ کے حکم کی تعمیل ممکن نہ تھی۔ آپ کا دوسرا حکم آنے تک ہماری فرسٹ آرمرڈ ڈویژن میدان میں آ چکی تھی اور دشمن چند ٹینکوں پر قبضہ بھی کر چکا تھا۔ تاہم میں نے اپنے افسروں کو خفیہ طور پر یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ کالے ہاتھی کی بجائے سفید ہاتھی کا نام استعمال کیا کریں۔ لیکن کالے "ہاتھی" کا نام سپاہیوں کی زبان پر بُری طرح چڑھا ہُوا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ ہاتھی عام طور پر کالے ہی ہوتے ہیں۔

چون: جنرل صاحب! بھگوان کے لئے گورے اور کالے کی بحث نہ کیجیے۔ میں ہاتھی کے نام سے نفرت کرتا ہوں۔

اندرا گاندھی: جنرل صاحب! چون جی ٹینکوں کے لئے ہاتھی کے نام کو بُرا شگون سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ راجہ پورس ....

چون : (چلاکر) شریمتی جی! آپ خاموش رہیں۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

سورن سنگھ : بھگوان کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔ اگر اس نازک موقع پر بھارت کا کوئی وزیر پاگل ہو گیا تو باہر کے ملک یہی خیال کریں گے کہ اس کا باعث بھارت کے جنگی نقصانات ہیں۔ اس وقت ہم ٹیلیکوں کے نام تجویز کرنے کے لئے نہیں بلکہ جنگ کے حالات پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

چون : سردار جی! آپ کو بھی ڈیفنس کے معاملات میں ٹانگ نہیں پھنسانی چاہیئے۔ آپ کا تعلق صرف بدیشی معاملات سے ہے۔

سورن سنگھ : لیکن اس جنگ کے باعث ساری دنیا میں بھارت کے خلاف جو شور اُٹھ رہا ہے میں اس سے کان بند نہیں کر سکتا۔ پاکستان پر حملہ کرتے وقت مجھے یہ تسلی دی گئی تھی کہ حملہ سے چند گھنٹے بعد جب ہم یہ اعلان کریں گے کہ لاہور اور سیالکوٹ فتح ہو چکے ہیں تو دنیا پر بھارت کی طاقت کا رعب بیٹھ جائے گا۔ پھر زیادہ سے زیادہ دو تین دنوں میں پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہم امن کے حق میں تقریریں شروع کر دیں گے۔ تو پاکستان کے حق میں کسی کو آواز اُٹھانے کا موقع تک نہیں ملے گا۔ بدیشی پریس ہمارے میٹھے بول سن کر بھاری توپوں اور ہوائی جہازوں کی گولہ باری کے قصے بھول جائے گا۔ میں نے پریس کے لئے بارہ گھنٹے کی محنت سے پہلا بیان تیار کیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ پاکستان کی تباہی کی ساری ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال سکوں گا جنہوں نے بھارت جیسے طاقتور ملک کے ساتھ

اُلجھنے کی غلطی کی تھی۔ لیکن جنگ کے غیر متوقع حالات نے مجھے اپنا بیان ردی کی ٹوکری میں ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ پھر میں نے دوسرا تیسرا اور چوتھا بیان لکھا۔ لیکن ان کا بھی حشر یہی ہُوا اب حالت یہ ہے کہ ہم جارحیت کا الزام بھی اپنے سر لے چکے ہیں اور ہماری فوجیں بھی اسی جگہ ہیں جہاں جنگ سے چند گھنٹے پہلے تھیں۔ جبکہ بعض محاذوں پر دشمن آگے بڑھ رہا ہے اور ہم پیچھے بھاگ رہے ہیں اور دنیا کا پریس ہمارا مذاق اڑا رہا ہے۔ انڈونیشیا میں ہمارے سفارت خانے کی دُرگت بن رہی ہے اور چین سکم کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

شاستری : سردار جی! آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔

سورن سنگھ : مہاراج نئی باتیں صرف ہمارے رکھشا منتری یا اُن کے جرنیل کر سکتے ہیں۔ میری تو یہ حالت ہے کہ اگر میں پاکستان ریڈیو نہ سنتا تو مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ پاکستان کی نیوی نے دوارکا جیسا اہم بحری اڈا تباہ کر دیا ہے۔

چون : اور آپ نے پاکستان ریڈیو کیوں سنا تھا؟

سورن سنگھ : آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر پاکستان ریڈیو نہ سنتا تو دوارکا کے نقصانات کم ہو جاتے؟

نندا : سردار جی! چون جی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو پاکستان ریڈیو سننے کی بجائے بھارت کے سرکاری اعلان کا انتظار کرنا چاہیئے تھا۔

سورن سنگھ : مہاراج میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں بھارت کا وزیر خارجہ ہوں اور میرے لئے کم از کم ان ممالک کو اعتماد میں لینا ضروری ہے جو ہمیں برسوں سے اسلحہ اور روپیہ مہیا کر رہے ہیں۔ چون جی کا دل رکھنے کے لئے میں انہیں یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ کھیم کرن پر ابھی تک بھارت کا قبضہ ہے لیکن دوارکا ایک بحری اڈا ہے اور بحری اڈے پر پاکستان کے حملے کی خبر چھپانا میرے بس کی بات نہیں۔ ہم غیر ملکی اخبار نویسوں کو کھیم کرن کے قریب پھٹکنے سے روک سکتے ہیں لیکن دوارکا جیسی جگہ کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتے۔

چون : ہم نے دوارکا کی تباہی کی خبر اس لئے دبالی تھی کہ اس سے عوام کے مورال پر بُرا اثر پڑے گا۔

سورن سنگھ : لیکن چون جی! میں عوام نہیں ہوں۔ میں بھارت کا وزیر خارجہ ہوں۔ (پردھان منتری کا سیکرٹری کمرے میں داخل ہوتا ہے)۔

سیکرٹری : جناب سیٹھ دھنی رام اور مول چند اور کانگرس کے چند اور لیڈر وزیر اعظم سے ملاقات پر مُصر ہیں۔ میں نے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اس وقت ایک اہم میٹنگ ہو رہی ہے اور راشٹرپتی مہاراج بھی یہاں تشریف رکھتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔

چون : ان بدمعاشوں نے کھیم کرن کے متعلق پاکستان ریڈیو سُن لیا ہوگا۔

رادھا کرشنن : کھیم کرن کی بات پرانی ہو چکی ہے۔ انہوں نے کوئی نئی بات سُنی ہوگی اور میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ بگاڑنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم انہیں تسلی دینے کے لیے چند منٹ کے لئے میٹنگ ملتوی کر سکتے ہیں (سیکرٹری سے) انہیں اندر بلا لو۔ (سیکرٹری باہر نکل جاتا ہے) وقفہ

سیٹھ دھنی رام، مول چند اور آٹھ سیٹھ ہانپتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

دھنی رام : راشٹرپتی مہاراج! یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہم ٹیکس نہیں دیتے؟ کیا ہم نے چندہ نہیں دیا؟ کیا ہم نے لاہور کی فتح کا اعلان سن کر لڈو تقسیم نہیں کئے؟ آخر ہمارے ساتھ یہ مذاق کیوں ہو رہا ہے۔ میں قصور دیکھنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اور میں نے اپنے دوستوں سے قصور کی میتھی لانے کا وعدہ کیا تھا لیکن امرتسر پہنچ کر معلوم ہوا کہ کھیم کرن بھی دشمن کے قبضہ میں جا چکا ہے۔ اب میرے دوست میرا مذاق اُڑاتے ہیں۔ سیٹھ مول چند جی انار کلی یا مال روڈ پر کوئی دکان پسند کرنے کے لئے گئے اور یہ تو بھگوان کی کرپا ہے کہ انہیں امرتسر سے آگے نکلنے سے فوج نے روک دیا۔ ورنہ ہمارے ٹینکوں کی طرح اُن کا بھی لوٗ لوٗرام ہو گیا ہوتا۔ ہمارے دوسرے ساتھی جو بعد میں روانہ ہوئے تھے انبالہ کے ہوائی اڈے کی تباہی دیکھ کر واپس آ گئے ہیں۔ سیٹھ چرن داس پٹھانکوٹ اور جموں کے راستے سیالکوٹ کی یاترا کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے کی تباہی اپنی آنکھوں سے

دیکھی ہے۔ اب وہ ہسپتال میں پڑا ہوا ہے اور اپنے ڈاکٹروں اور
نرسوں کو بھی جٹ ہوائی جہاز سمجھ کر چیخیں مارتا ہے۔ سیٹھ گنگا رام کے
بڑے بھائی سیٹھ رام سروپ نے جام نگر کے ہوائی اڈے پر دشمن کا حملہ
دیکھا تھا۔ اب وہ گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اور سڑک پر سکوٹر کی آواز سن کر
بھی دہائی دینے لگتا ہے کہ دشمن کے ہوائی جہاز دہلی پہنچ گئے ہیں مہاراج
ہم ٹیکس دیتے ہیں اور یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس جنگ میں روزانہ
کروڑوں روپے کے ہوائی جہاز، توپیں اور ٹینک ضائع کر کے بھارت کو
کیا فائدہ پہنچا ہے؟

چون: سیٹھ جی! یہ بات شاید آپ کو یاد نہیں رہی کہ آپ پاکستان کے خلاف
جنگ کے حق میں کانگرس کے باقی تمام لیڈروں سے زیادہ جوشیلی تقریریں
کیا کرتے تھے۔

دھنی رام: مہاراج! میں نے اس وقت جنگ کے حق میں تقریریں شروع کی تھیں
جب آپ، آپ کے سیناپتی اور آپ کے پردھان منتری نے ہمیں یہ
یقین دلایا تھا کہ بھارت کی افواج چند گھنٹوں کے اندر اندر پاکستان کو تباہ
کر دیں گی۔ لیکن اب ہم خود تباہی کا سامنا کر رہے ہیں۔

شاستری: سیٹھ جی اب آپ ہمارا رہا سہا مورال خراب کرنے کے لئے یہاں آئے
ہیں یا کوئی کام کی بات کرنا چاہتے ہیں؟

دھنی رام: مہاراج ہم صرف یہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں کہ یہ جنگ ختم کیسے ہوگی۔
اگر اوتھان جی مہاراج اس جنگ کو ختم کرا سکتے ہیں تو پھر آپ کیا سوچ

رہے ہیں۔

سورن سنگھ: اس سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ ہم جب چاہیں یہ جنگ
ختم کر سکتے ہیں۔ آپ نے راشٹرپتی مہاراج کی یہ تقریر نہیں سنی کہ ہم نے
ابھی تک پاکستان کے خلاف جنگ کا اعلان بھی نہیں کیا۔؟

مول چند: مہاراج یہی تو ہم پوچھ رہے ہیں کہ آپ کب تک جنگ ختم کرنا پسند
فرمائیں گے۔ اور اگر پاکستان نے جنگ بند کرنا پسند نہ کیا تو ہمارے لئے
مزید تباہی سے بچنے کے لئے کونسا راستہ ہے؟

رادھا کرشنن: سیٹھ جی آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے مغربی دوست ہماری حالت سے
بے خبر نہیں۔ اب وہ جنگ بند کرانے کے متعلق ہم سے زیادہ فکرمند
ہیں۔

سورن سنگھ: اور ہم جب چاہیں ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ مداخلت پر
مجبور ہو جائیں۔ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم چین کے ساتھ
چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں۔

دھنی رام: پھر کیا ہوگا مہاراج؟

سورن سنگھ: پھر یہ ہوگا کہ ہمارے مغربی دوست ہمیں پوری مدد دیں گے۔ وہ ہمیں
اتنا اسلحہ دیں گے کہ ہمارے پاس رکھنے کے لئے جگہ نہیں ہوگی۔

دھنی رام: وہ ہمیں صرف اسلحہ ہی دیں گے مہاراج؟

چون: تم اور کیا چاہتے ہو؟

دھنی رام: مہاراج وہ ہمیں اسلحہ کے ساتھ آدمی نہیں دیں گے؟

چرن: کیسے آدمی ؟

دھنی رام: لڑنے والے آدمی مہاراج !

جنرل چودھری: میں اپنے سپاہیوں کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔

ارجن سنگھ: میں بھی اپنے ہوابازوں کی توہین برداشت نہیں کرسکتا۔

مول چند: مہاراج! سیٹھ دھنی رام جی کا مطلب یہ ہے کہ بدیشی ہتھیاروں کی حفاظت کے لئے بدیشی سپاہیوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ہمارے سپاہیوں کو یہ اطمینان ہو کر اُن کا قیمتی سامان دشمن کے قبضے میں نہیں چلا جائے گا، تو شاید زیادہ بہادری کے ساتھ لڑ سکیں۔ آپ کو معلوم ہے ایک جٹ ہوائی جہاز کی قیمت قریباً ایک کروڑ روپیہ اور ایک ٹینک ....

چرن: بھگوان کے لئے یہ بکواس بند کردیں اس سے زیادہ نہیں سُن سکتا۔

کرشنم اچاری: چرن جی! سیٹھ مول چند ہمارے دشمن نہیں۔ انہیں بھارت کے نقصانات نے پریشان کردیا ہے۔

رادھا کرشنن: سیٹھ جی! چرن جی آپ سے کم پریشان نہیں۔ انہیں چوبیس گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ اُن کی جگہ ہوتے تو شاید آپ بھی غصے میں آجاتے۔

مول چند: لیکن مہاراج! آپ چرن جی کا غصہ کم کرنے کی کوشش کیجئے۔ ورنہ چند دن تک ہمارا بیڑا غرق ہوجائے گا۔

شاستری: سیٹھ جی! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ چند دن کے اندر اندر جنگ بند ہوجائے گی اور آپ پھر دوستوں کی طرح باتیں کرسکیں گے۔

مول چند: اگر بھارت کو پاکستان کی طرف سے کسی زبردست حملے کا خطرہ نہ ہو تو میں جنگ بندی پر اصرار نہیں۔ بلکہ صرف یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ جب ہماری حالت زیادہ پتلی ہونے لگے تو جنگ بندی جا سکے۔ یعنی پاکستان کی فوجیں آگے نہیں بڑھ سکیں گی۔ اگر صرف سرحدوں کے آس پاس گولہ باری ہوتی رہے تو ہمیں کوئی چنتا نہیں ہوسکتی۔

نندہ: سیٹھ جی! آپ کو اس لئے چنتا نہیں ہوگی کہ آپ ہر ہفتے بلیک مارکیٹ کے نرخ دگنے کرتے جائیں گے۔ لیکن جنگ کی ابتدا ہماری طرف سے ہوئی ہے اور اب اُسے کسی علاقے میں محدود رکھنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہم نے اپنی پسند کے محاذ پر حملہ کیا تھا۔ اور پاکستان بھی اپنی پسند کے محاذ پر جوابی حملہ کرے گا۔ ہم آپ کو بلیک مارکیٹ سے نہیں روک سکتے لیکن ٹیکسوں کے متعلق شاید آپ کو بھی زیادہ حوصلے سے کام لینا پڑے۔

دھنی رام: بھگوان کے لئے جنگ بند کروا دیجئے مہاراج !

وقفہ

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)

سیکرٹری: (ریسیور اُٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے) ہیلو! ہاں وہ یہیں ہیں لیکن اِس وقت بہت مصروف ہیں۔ بہت ضروری بات ہے ؟ اچھا میں پوچھتا ہوں۔ (ریسیور نیچے کرتے ہوئے شری نندہ سے مخاطب ہوتا ہے)۔ مہاراج! ہوم سیکرٹری آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

معاملہ بہت نازک ہے۔ (نندہ ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ سیکرٹری ٹیلیفون اٹھا کر اُس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اور ریسیور اُس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔

نندہ: (ریسیور پر) ہیلو! کیا کیا؟ پانچ لاکھ آدمی دہلی کا رُخ کر رہے ہیں؟ (ریسیور میز پر رکھ دیتا ہے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتا ہے۔)

شاستری: کیا بات ہے نندہ جی؟

اندرا گاندھی: نندہ جی! خیریت تو ہے نا؟

نندہ: (ڈوبتی ہوئی آواز میں) اگر میں سپنا نہیں دیکھ رہا تو اس وقت پانچ لاکھ انسان دہلی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چین نے پوری طاقت سے بھارت پر حملہ کر دیا ہے۔ (جنرل چودھری سے) سیناپتی مہاراج! آپ وقت ضائع نہ کریں۔

جنرل چودھری: اگر پانچ لاکھ چینی دہلی کا رُخ کر رہے ہیں تو مجھ سے زیادہ بھارت کے وزیر خارجہ کو اپنے وقت کی قیمت محسوس کرنی چاہیئے۔

دھنی رام: (سورن سنگھ سے) مہاراج! اب سوچنے کا وقت نہیں۔ آپ جو کچھ کر سکتے ہیں۔ جلدی کیجئے۔

سورن سنگھ: میں کیا کر سکتا ہوں!

مول چند: آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں مہاراج! ابھی آپ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم جب چاہیں چین کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر کے مغربی طاقتوں کو مدد کے لئے بلا سکتے ہیں۔

اب ہمیں چھیڑ چھاڑ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ چین نے ہماری مشکل آسان کر دی ہے۔

چوان: لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چین کے پانچ لاکھ سپاہی بھارت کی سرحد عبور کر چکے ہوں اور ہمیں خبر تک نہ ہو۔ (جنرل چودھری سے) آپ کے سپاہی سرحد پر کیا کر رہے تھے؟

جنرل چودھری: مہاراج! اگر یہ خبر درست ہے تو اب ہمارا کوئی سپاہی سرحد پر نہیں ہوگا۔ وہ چینیوں کے آگے آگے پوری رفتار سے بھاگ رہے ہوں گے۔

کرشنم اچاری: میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ ہمارے سیناپتی سے پہلے ہوم سیکرٹری کو یہ اطلاع کیسے مل گئی؟

دھنی رام: انہیں یہ خبر سب سے تیز بھاگنے والے سپاہی نے دی ہو گی مہاراج!

اندرا: لیکن اس سپاہی کو ہوم سیکرٹری کے گھر کا رُخ کرنے کی بجائے فوج کے ہیڈ کوارٹر پہنچنا چاہیئے تھا۔ نندہ جی! آپ اچھی طرح پوچھ لیجئے یہ کیا معاملہ ہے۔ (نندہ کانپتے ہوئے ہاتھ سے) دوبارہ فون اٹھاتا ہے)۔

نندہ: (فون پر) ہیلو! ہیلو! میں نندہ بول رہا ہوں ——— میں نے ٹیلیفون بند نہیں کیا تھا ——— میں تھوڑی دیر کے لئے پریشان ہو گیا تھا ——— نہیں! نہیں! نہیں!!! تمہیں معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ خبر کس نے دی ہے ——— ؟ ——— مشرقی پنجاب

کے گورنر نے ؟ —— لیکن مشرقی پنجاب کا چین کے ساتھ کیا تعلق ہے ؟
بیوقوف میرا مطلب یہ ہے کہ چین کے پانچ لاکھ آدمی کس راستے مشرقی پنجاب
پہنچ گئے ہیں ؟ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا کہا وہ چین سے نہیں آئے ! تو پھر کہاں سے آئے
ہیں (چلّا کر) تمہارا مطلب ہے کہ وہ چینی نہیں ہیں ؟ بھئی میں سُن رہا ہوں ۔
مجھے پوری بات سمجھاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ آرام سے بات کرو ۔

کرشنم اچاری : اگر مشرقی پنجاب کے گورنر نے اطلاع دی ہے تو یہ بات ایک معمولی عقل کے دماغ میں بھی آ سکتی ہے کہ وہ پاکستان سے آئے ہوں گے ۔

جنرل چودھری : (ارجن سنگھ سے) سردار جی میرا دماغ کام نہیں کرتا اور دو چار سو کی بات ہوتی تو یہ ممکن تھا لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاکستان نے پانچ لاکھ سپاہی پیرا شوٹوں کے ذریعے ہمارے مورچوں کے پیچھے اُتار دئے ہوں ۔

ارجن سنگھ : یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی ۔

دھنی رام : یہ بات آپ کی سمجھ میں اس وقت آئے گی جب وہ دہلی پہنچ جائیں گے ۔

مول چند : راشٹرپتی جی ! پردھان منتری جی ! بھگوان کے لئے دہلی کو بچائیے ۔ اس وقت پہلے آل انڈیا ریڈیو پر امن اور شانتی کے حق میں تقریریں کیجئے ۔ دنیا کو یہ بتائیے کہ پاکستان ہمارا پڑوسی ہے اور ہم اس کی ہر شکایت دُور کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ ہندی اور چینی آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ یعنی چین بڑا بھائی ہے اور بھارت چھوٹا بھائی اور چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے چرنوں میں گرنے کے

لئے تیار ہے ۔ اس جنگ کی ساری ذمہ داری مغربی ممالک کے سر تھوپ دیجئے ۔
انہیں جی بھر کر گالیاں دیجئے ۔ ملائشیا کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کر دیجئے ۔
انڈونیشیا کے صدر کو تار دیجئے کہ ہم اپنے ہمسایوں کے ساتھ جھگڑے نپٹانے
کے لئے اُن کی ثالثی قبول کرتے ہیں ۔ اور شیخ عبداللہ کو رہا کر دیجئے اور ماسٹر
تارا سنگھ کو یہ پیغام بھیجئے کہ ہم صرف مشرقی پنجاب میں ہی نہیں بلکہ پورے
بھارت میں پنجابی زبان رائج کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ ناگالینڈ کی آزادی کا اعلان
کر دیجئے ۔ اور اگر کشمیر میں ہماری فوج کا کوئی حصہ بچ گیا ہے تو انہیں حکم دیجئے
کہ وہ اپنا گولہ بارود اور وردیاں پھینک کر واپس آجائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاستری
جی ! جلدی کیجئے ۔ ورنہ وہ دہلی پہنچتے ہی بھارت کو چین کا اٹوٹ انگ بنا
دیں گے ۔ اور آپ کشمیر کے شیخ عبداللہ کی طرح منہ دیکھتے رہ جائیں گے ۔
مہاراج ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ جب ایک طاقتور ملک کسی کمزور ہمسائے کی آزادی
پر ڈاکہ ڈالنے کے بعد یہ اعلان کر دیتا ہے کہ یہ میرا اٹوٹ انگ ہے —— تو
یو این او کے چودھری مداخلت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ۔ پردھان
منتری ! اب اپنی سمجھ سے کام لیجئے ۔ آپ کے سیناپتی کی عقل کام نہیں
کرے گی ۔

نندہ : (جو ابھی تک ریسیور کان سے لگائے ہوئے ہے ، غصّے کی حالت میں مول چند کی طرف دیکھتے ہوئے) بھگوان کے لئے خاموش رہو اور مجھے بات کرنے دو (فون پر) نہیں نہیں ، تم نہیں میں کسی اور سے بات کر رہا تھا ۔ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ پانچ لاکھ چینیوں نے بھارت پر حملہ کر دیا ہے ۔ اچھا

اب مشرقی پنجاب کے گورنر سے کہو کہ انہیں کسی حالت میں بھی انبالہ سے آگے نہ بڑھنے دے۔ اگر وہ حکم عدولی کریں تو اُن پر لاٹھی چارج کرو۔ مجھے یقین ہے کہ جن سنگھ اور سیوک سنگھ کے رضاکار اس کام میں پولیس کا ساتھ دیں گے ..... کیا کہا وہ سب سے آگے ہیں ..... کوئی بات نہیں۔ انہیں ہنگامہ کرنے دو۔ لیکن کیمپ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دو۔ (ریسیور رکھ دیتا ہے۔)

سورن سنگھ: نندہ جی! آپ مسکرا رہے ہیں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مشرقی پنجاب کی پولیس پانچ لاکھ پاکستانیوں کو کیسے روک سکتی ہے۔ اور وہ بھی لاٹھیوں سے۔

(نندہ قہقہہ لگاتا ہے)

شاستری: (سیکرٹری سے) تم کیا دیکھ رہے ہو؟ ڈاکٹر کو بلاؤ۔

(سیکرٹری آگے بڑھ کر ٹیلیفون کا چونگا اُٹھاتا ہے۔ لیکن نندہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔)

نندہ: (شاستری سے) ڈاکٹر بلانے کی کوئی ضرورت نہیں مہاراج! میں بالکل ٹھیک ہوں۔

اندرا گاندھی: نندہ جی آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ رو نہیں رہے ہیں۔ لیکن آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔

نندہ: یہ خوشی کے آنسو ہیں دیوی جی ..... وہ پانچ لاکھ چینی یا پاکستانی نہیں ہمارے اپنے آدمی ہیں۔

سورن سنگھ: اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر اور مشرقی پنجاب سے ہماری فوج کے علاوہ سویلین آبادی کے قافلے بھی دہلی کا رخ کر رہے ہیں۔ لیکن اس میں خوشی کی کون سی بات ہے۔ انہیں بھگانے والے یقیناً ان کے پیچھے آ رہے ہوں گے۔

نندہ: اُن کے پیچھے کوئی نہیں سردار جی! وہ سب سویلین ہیں اور ہماری طرح ان کے سر پر بھی پاکستان کے خوف کا بھوت سوار ہے۔ ان لوگوں کا ایک قافلہ جموں سے روانہ ہوا تھا۔ دوسرا پٹھانکوٹ سے ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پھر گورداسپور، بٹالہ، امرتسر اور جالندھر سے اور قافلے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اب وہ انبالہ سے کوئی تیس میل دُور ہیں اور ان کی تعداد پانچ لاکھ سے اُوپر ہو چکی ہے۔ مشرقی پنجاب کے گورنر نے دہلی کے کمشنر کو اطلاع دی ہے۔ اس قافلے کے پیچھے ایک اور قافلہ روانہ ہو چکا ہے اور جب یہ قافلہ انبالہ پہنچے گا تو اس کی تعداد شاید پہلے قافلے سے تین گنا زیادہ ہو جائے۔ میں نے حکم دے دیا ہے کہ ان لوگوں کو انبالہ سے دہلی کا رُخ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

چوان: میرا خیال ہے کہ انہیں روکنے کے لئے پولیس کو لاٹھیاں استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمارے جن سنگھی اور سیوا سنگھی بہادر انہیں سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیں گے۔

نندہ: چوان جی! میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن ہوم سیکرٹری نے مجھے بتایا ہے کہ یہ بہادر بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہیں اور صرف آگے ہی نہیں بلکہ

سیاپا بھی کر رہے ہیں۔

شاستری: وہ کس کا سیاپا کر رہے ہیں؟

نندہ: مجھے معلوم نہیں، آپ مشرقی پنجاب کے گورنر کو ٹیلیفون کر کے پوچھ لیں۔

اندرا گاندھی: نہیں نہیں، مشرقی پنجاب کے گورنر اس وقت انہیں روکنے میں مصروف ہوں گے۔ آپ انہیں پریشان نہ کریں۔ میں اس بات کا ذمہ لیتی ہوں کہ کسی وقت آپ کو سیاپے کا ٹیپ ریکارڈ سنا دیا جائے گا۔

شاستری: ہمیں آپ کا ٹیپ ریکارڈ سننے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ مجھے یقین ہے کہ کل تک دہلی میں بھی ہمارا سیاپا شروع ہو جائے گا۔

نندہ: مہاراج آپ چنتا نہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ مشرقی پنجاب کی پولیس انہیں انبالہ سے آگے نہیں بڑھنے دے گی۔

شاستری: نندہ جی! شرنارتھیوں کے رُک جانے یا آگے بڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس ان کا راستہ روک سکتی ہے۔ لیکن اُن کی آواز پر پہرا نہیں بٹھا سکتی —— میرا تجربہ یہ ہے کہ جب جن سنگھ اور سیوک سنگھ کے سُورما ہنستے ہیں تو پورا بھارت قہقہے لگاتا ہے۔ جب وہ جنگ کے نعرے لگاتے ہیں تو بھارت جنگ کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ سیاپا کر رہے ہیں تو پورا ملک سیاپا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اب تک وہ ٹیلیفون پر اپنے ہزاروں ساتھیوں کو یہ اطلاع دے چکے ہوں گے کہ انبالہ میں سیاپا شروع ہو چکا ہے۔ اس لئے تم بھی تیار ہو جاؤ —— ہمیں بھگوان سے پرارتھنا کرنی چاہیئے کہ جب دہلی میں سیاپا کرنے والوں کا

جلوس نکلے تو اس کا رُخ ہماری طرف نہ ہو —— کسی اور طرف ہو ——

جنرل چودھری: آپ کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بھارت کی حکومت کی بجائے بھارت کے فوجی ہیڈ کوارٹر کا رُخ کرنا چاہیئے؟

شاستری: نہیں جنرل صاحب! میرا یہ مطلب نہیں۔ میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اُن کا جوش کیسے ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔

اندرا گاندھی: میں جانتی ہوں کہ اُن کا جوش کیسے ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔ پتا جی یہ کہا کرتے تھے کہ جب عوام زیادہ جوش میں آئیں تو لیڈر کو اُن کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ اور جب عوام کا جوش ٹھنڈا ہونے لگے تو لیڈر کو آگے آ جانا چاہیئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت بھارت کے عوام سیاپے کے مُوڈ میں ہیں تو ہمیں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم ان کا موڈ خراب کرنا چاہتے ہیں —— انہیں خوش کرنے اور اعتماد میں لینے کے لئے میں آج ہی یہ اعلان کروا دیتی ہوں کہ آل انڈیا ریڈیو ہر صبح، دوپہر اور شام بھارت کے قومی سیاپے کا ایک خاص پروگرام نشر کیا کرے گا —— اس قومی سیاپے کا صبح کا پروگرام پاکستان کے اُن سپاہیوں کے خلاف ہوگا جنہوں نے ہماری بہادر افواج کے حوصلے پست کر دئیے ہیں اور ہمارا اربوں روپے کا اسلحہ ضائع کر دیا ہے۔ دوسرا پروگرام ان ملکوں کے خلاف ہُوا کرے گا جنہوں نے بھارت پر جارحیت کا الزام لگا کر اس جنگ میں پاکستان کی حمایت کی ہے قومی سیاپے کے اس پروگرام میں چین، انڈونیشیا، ترکی، ایران اور عرب ملکوں کے خلاف نعرے لگاتے

جائیں گے۔

تیسرا یعنی رات کا پروگرام بھارت کے دوست ممالک کے خلاف ہوا کرے گا جن کے سامنے بھارت کی پٹائی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمیں کھل کر مدد دینے کی بجائے صرف ٹال مٹول سے کام لیا ہے۔ ہم عوام کو بھارت کی حکومت یا فوج کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔

رادھا کرشنن: دھن باد شاستری جی! دھن باد ——

شاستری: مجھے آپ پر فخر ہے۔

نندہ: بھگوان کے لئے اب آپ وقت ضائع نہ کریں۔

شاستری: میرے خیال میں سیاپے کا پروگرام صرف ریڈیو پر ہی نشر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ عوام کو بھی اس کے فلم بھی دکھائے جائیں۔

چوان: اور یہ فلم ایسے کامیاب ہونے چاہئیں کہ دیکھنے والے راستے میں سیاپا کرتے ہوئے گھروں کو جائیں۔

اندرا گاندھی: آپ اطمینان رکھیں۔ میں اس پروگرام کو مؤثر بنانے کے لئے دن رات محنت کروں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ چند دن کے اندر اندر بھارت کے عوام قومی ترانے کی بجائے سیاپا سننا زیادہ پسند کریں گے۔

جنرل چودھری: میں عمر بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔ اس پروگرام کے لئے میری خدمات حاضر ہیں۔ میرے جوان فوجی پریڈ کے ساتھ سیاپے کی مشق کیا کریں گے۔ اور آل انڈیا ریڈیو کے لئے اُن کی خدمات بلا معاوضہ ہوں گی۔ آپ کو باہر کے آرٹسٹ بھرتی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمیں صرف

ایک ایسے اُستاد کی ضرورت ہوگی جو سیاپے کا ماہر ہو۔

اندرا گاندھی: میں آپ کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کروں گی۔

چھاگلہ: سیاپا سکھانے والے اُستاد اور استانیاں مہیا کرنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔

ائیر مارشل ارجن سنگھ: اس جنگ میں سب سے زیادہ صدمہ بھارت کے ہوابازوں نے اُٹھایا ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ بری افواج کی نسبت زیادہ جوش کے ساتھ سیاپا کے قومی پروگرام میں آپ کا ہاتھ بٹا سکیں گے۔

اندرا گاندھی: مجھے زندہ ہوابازوں یا سپاہیوں سے زیادہ جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی بیویوں اور ماؤں کی ضرورت پڑے گی۔

چوان: وہ سب آپ کے پاس حاضر ہو جائیں گی۔

اندرا گاندھی: شکریہ! اب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ابھی گھر پہنچ کر اپنا کام شروع کر دوں۔

رادھا کرشنن: آپ تشریف لے جائیں (اندرا گاندھی ہاتھ باندھ کر نمسکار کہتی ہے اور کمرے سے نکل جاتی ہے۔)

وقفہ

رادھا کرشنن: چوان جی! اب کیا ہوگا؟

چون : مہاراج ! یہی بات میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔

شاستری : ہم سب ایک دوسرے سے یہی سوال کرنا چاہتے ہیں کہ اب کیا ہوگا۔ لیکن اس کا جواب دینا آسان نہیں۔ بھارت کی مثال اس ہاتھی کی سی ہے جو دلدل میں پھنس چکا ہو۔

جنرل چودھری : اگر ہاتھی سے آپ کا مطلب بھارت کی فوج ہے تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہاتھی ابھی زیادہ دُور نہیں گیا۔ میرا مطلب ہے کہ اس کی اگلی ٹانگیں دلدل کے اندر اور پچھلی دلدل سے باہر ہیں۔ اگر اب بھی رکھشا منتری اس کی دُم مروڑ کر آگے ہانکنے کی کوشش نہ کریں یا مہامنتری جی اسے دلدل کے پار یعنی واہگہ، سیالکوٹ اور قصور وغیرہ کے جنگی محاذوں سے آگے پاکستان کی سرسبز کھیتیاں نہ دکھائیں تو ہم اس ہاتھی کو ڈوبنے سے بچا سکتے ہیں۔

چون : (چلّا کر) میں آپ کو پچاس مرتبہ یہ سمجھا چکا ہوں کہ بھارت کی فوج کے لئے ہاتھی کا منحوس لفظ استعمال نہ کیجئے۔

جنرل چودھری : لیکن مہاراج ! ہر مرتبہ ہاتھی کا ذکر میں نے نہیں بلکہ پردھان منتری نے چھیڑا تھا۔ اور میں انہیں یہ بتا رہا تھا کہ ابھی بھارت کا ہاتھی پوری طرح دلدل میں نہیں گھسا۔ اگر ہم عقل سے کام لیں تو اُسے باہر نکالا جا سکتا ہے۔

چون : لیکن تم یہ کہہ رہے تھے کہ میں اس منحوس جانور کی دُم مروڑ کر آگے ہانک رہا ہوں ــــــ یعنی یہ سونڈ والا بے وقوف جانور تو بچ سکتا ہے لیکن میں اس کا دشمن ہوں۔

دھنی رام : چون جی مہاراج ! آپ ہاتھی کو بے وقوف یا منحوس جانور نہیں کہہ سکتے۔ وہ گنیش دیوتا ہے ــــــ

مول چند : اور گنیش دیوتا کوئی معمولی دیوتا نہیں مہاراج ! ہم اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔

چون : (پُوری قوت سے چلّاتا ہے) گنیش دیوتا کے بچّو ! تم خاموش رہو۔ ورنہ میں تمہیں دھکّے دے کر باہر نکال دوں گا۔ (اندرا گاندھی کمرے میں داخل ہوتی ہے ــــــ) اور چون اُسے دیکھ کر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتا ہے۔

اندرا گاندھی : کیا ہُوا چون جی ؟ یہ گنیش دیوتا کے بچّے کون ہیں ؟

چون : اگر آپ کو قومی سیاپے کا پروگرام تیار کرنے کے لئے گنیش دیوتا کے بچّوں کی ضرورت پڑ گئی ہے تو انہیں لے جائیے۔

اندرا گاندھی : میں گنیش دیوتا کے بچّے دیکھنے کے لئے واپس نہیں آئی۔ اور آپ کو میری انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

چون : آپ یہ دیکھنے کے لئے واپس آئی ہیں کہ اُس منحوس جانور کا نام سُن کر مجھ پر کیا گزرتی ہے۔

اندرا گاندھی : آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ مجھے ہرگز یہ معلوم نہ تھا کہ آپ ہاتھی کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔

چون : آپ کو سب کچھ معلوم تھا اور آپ دروازے سے باہر کھڑی ہماری باتیں سُن رہی تھیں۔ آپ کو ہمارے سیناپتی کا شکر گزار ہونا چاہیئے تھا جنہوں نے آپ کو ہنسنے کا ایک اور موقع دیا ہے۔

جنرل چودھری : میں پھر یہ کہتا ہوں کہ ہاتھی کا ذکر پردھان منتری نے چھیڑا تھا۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ بھارت کا ہاتھی دلدل میں پھنس چکا ہے ـــــــ اور میں آپ کو یہ سمجھا رہا تھا کہ ۔۔۔۔

چون : (بات کاٹتے ہوئے) آپ ہمیں یہ سمجھا رہے تھے کہ میں اس کی دُم مروڑ کر آگے ہانک رہا ہوں۔ یعنی میں بھارت کا دشمن ہوں اور جنگ کی ساری ذمہ داری تنہا مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

شاستری : لیکن چون جی سیناپتی جی نے میرے متعلق بھی تو یہ کہا تھا کہ میں اسے لاٹھی سے ہانک رہا ہوں۔

جنرل چودھری : میں نے یہ نہیں کہا مہاراج ! مطلب یہ تھا کہ اگر آپ بھارت کی فوج کے ہاتھی کو ہانک کر آگے نہ کریں تو اسے ہلاک ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر اب بھارت کی حکومت جنگ جاری رکھنے میں خطرہ محسوس کرتی ہے تو جنگ بند ہو سکتی ہے۔

چون : جنگ بند ہو یا نہ ہو لیکن میں آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ آپ پاکستان کے ہاتھوں پٹنے والی فوج کو ہاتھی کا نام دے کر مجھے راجہ پورس ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اندرا گاندھی : میں اس بحث میں حصہ نہیں لینا چاہتی لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے پورس کے ہاتھی دلدل میں نہیں پھنسے تھے بلکہ میدان سے بھاگ نکلے تھے ـــــ اور راجہ پورس چون جی کی طرح اپنے ملک کا رکھشا منتری نہیں تھا۔ بلکہ ایک حکمران ہوتے کے باوجود جنرل چودھری کی طرح سیناپتی کے فرائض بھی

سر انجام دے رہا تھا۔ اس لئے پورس اور اس کے ہاتھیوں کے ذکر سے چون جی کو نہیں بلکہ پردھان منتری راشٹرپتی یا جنرل چودھری کو پریشان ہونا چاہیئے۔

چھاگلہ : رکھشا منتری جی ! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں کچھ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

چون : اگر آپ نے کوئی بُری بات کی تو میں یقیناً بُرا مانوں گا۔

چھاگلہ : مہاراج میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ ہاتھیوں کا ذکر بدشگونی سمجھتے ہیں تو میں آپ سے متفق ہوں۔ میرا ماتھا اس دن ٹھنکا تھا جب میں نے یہ سُنا تھا کہ بھارت کی فرسٹ بکتر بند ڈویژن کے ٹینکوں پر کالے ہاتھی کا نشان ہے۔

جنرل چودھری : اور آپ کو کالے ہاتھی کے نشان سے کیا تکلیف ہوئی تھی ؟

چھاگلہ : میرے دل میں یہ منحوس خیال آیا تھا کہ پاکستان کے مسلمان بھارت کے کالے ہاتھیوں سے خوفزدہ ہونے کی بجائے انہیں اپنے لئے اچھا اور بھارت کے لئے بُرا شگون سمجھیں گے ـــــ بات یہ ہے کہ جب ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکّہ پر چڑھائی کی تھی تو وہ اپنے ہاتھیوں سمیت تباہ ہو گیا تھا۔

نندہ : اور یہ ابرہہ کون سا ملک ہے ؟

چھاگلہ : ابرہہ کسی ملک کا نام نہیں مہاراج ! یہ یمن کا حبشی حکمران تھا اسے یقین تھا کہ اہلِ مکّہ کے پاس اس کا راستہ روکنے کے لئے کوئی فوج نہیں۔ لیکن یہ ایک معجزہ تھا کہ آسمان سے ابابیلوں کا لشکر نمودار ہوا۔ اور ابرہہ

اور اس کا لشکر اپنے جنگی ہاتھیوں سمیت تباہ ہو گیا۔

نندہ : ابابیل کیا ہوتا ہے ؟

چھاگلہ : وہ ایک چھوٹا سا پرندہ ہے مہاراج !

ایئر مارشل ارجن سنگھ : چھوٹا سا پرندہ ؟ میں سمجھا تھا کہ یہ ہوائی جہاز کی قسم کی کوئی چیز ہو گی۔

چوان : (چھاگلہ سے) آپ کو اندرا دیوی نے یہ بتا دیا ہو گا کہ میں کالے ہاتھی کے ذکر سے پریشان ہوتا ہوں۔ اس لئے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ٹینک کالے ہاتھی ہیں اور دشمن کے جٹ ہوائی جہاز انہیں تباہ کرنے والے ابابیل ہیں۔

چھاگلہ : نہیں مہاراج میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ میں آپ کو یہ سمجھا رہا تھا کہ پاکستان کے لوگ کالے ہاتھی سے مرعوب ہونے کی بجائے کہیں یہ خیال نہ کرنے لگ جائیں کہ بھارت اور پاکستان کی جنگ میں بھی ابابیلوں کا معجزہ ہو جائے گا ---- میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے تھی جس سے ہمارے دشمن کا مورال بلند ہو۔

چوان : مسٹر چھاگلہ آپ خاموش نہیں رہ سکتے ؟

چھاگلہ : میں آپ کی حمایت کر رہا تھا مہاراج ! میرا مطلب یہ تھا کہ ....

چوان : (غضب ناک ہو کر) مجھے تمہاری حمایت کی ضرورت نہیں۔ تم ہمارا مذاق اڑا کر خوش ہوتے ہو۔ (اندرا گاندھی سے) شریمتی جی ! آپ ودیا منتری سے پاکستان کے خلاف ریڈیو پر تقریریں کروا سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے حال پر رحم کریں۔

اگر آپ دوبارہ تشریف نہ لاتیں تو چھاگلہ جی کو اپنی منحوس زبان کھولنے کا موقع نہ ملتا۔

اندرا گاندھی : میں یہ کہہ چکی ہوں کہ میں اس فضول بحث میں حصہ لینے کے لئے واپس نہیں آئی اور آپ نے مجھے یہ بتانے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں کیوں واپس آئی ہوں۔ جب میں یہاں سے نکلی تھی تو باہر گیٹ پر لڑکیوں کے ایک ہجوم نے مجھے گھیر لیا تھا۔ وہ بہت دیر سے جنرل چودھری اور ایئر مارشل ارجن سنگھ اور رکھشا منتری کو تلاش کر رہی ہیں۔ وہ اندر آنا چاہتی ہیں اور پولیس انہیں روکے ہوئے ہے۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس وقت ایک اہم کانفرنس ہو رہی ہے۔ لیکن وہ گیٹ سے ہلنے کا نام نہیں لیتیں۔

تنا منتری : اور آپ انہیں یہ خوشخبری دے کر واپس تشریف لائی ہیں کہ ہم سب یہاں ہیں۔

اندرا : میرا خیال تھا کہ شاید وہ پردھان منتری اور راشٹرپتی کا قیمتی وقت ضائع کرنا پسند نہ کریں۔ لیکن ان پر اس بات کا الٹا اثر ہوا ہے۔ جب میں نے ان سے جان چھڑانے کی کوشش کی تو کالج کی چند شوخ دیویاں میری کار کے آگے لیٹ گئیں۔ اور مجھے مجبوراً ان کے ساتھ یہ وعدہ کرنا پڑا کہ میں آپ سے ملاقات کی اجازت لینے کی کوشش کرتی ہوں ----

چوان : اور اب آپ یہ دیکھنے کے لئے بے قرار ہوں گی کہ کالج کی وہ شوخ دیویاں ہمارا سیاپا کس طرح کرتی ہیں ؟

جنرل چودھری : اس میٹنگ کے بعد مجھے اپنا سیاپا کروانے کی ہمت نہیں۔

رادھا کرشنن : مجھے معلوم تھا کہ انبالہ میں ہمارا سیاپا کرنے والے دہلی والوں کو زیادہ دیر چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ لیکن مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ یہ کام اتنی جلدی شروع ہو جائے گا۔ نندہ جی آپ خود باہر نکلیں اور اگر انہوں نے گیٹ سے باہر ہمارا سیاپا شروع کر دیا ہے تو انہیں فوراً اندر لے آئیں ورنہ ایک گھنٹے کے اندر اندر دہلی کی تمام دیویاں سڑک پر جمع ہو جائیں گی۔

اندرا گاندھی : مہاراج وہ دیویاں سیاپا کرنے کے لئے نہیں آئیں بلکہ پھولوں کے ہار لے کر آئی ہیں۔ وہ یہ کہتی ہیں کہ ہم بھارت کے رکھشا منتری اور سینا پتی اور ایئر مارشل کے چرنوں کو ہاتھ لگانا چاہتی ہیں۔ یہ وہ دیویاں ہیں جنہوں نے صرف آل انڈیا ریڈیو سے بھارت کی فتوحات کی خبریں سُنی ہیں —— وہ سینا پتی سے یہ درخواست کرنا چاہتی ہیں کہ انہیں لاہور اور سیالکوٹ کی سیر کے لئے پرمٹ دئیے جائیں۔ وہ بھارت کی فتح کے ترانے گا رہی ہیں۔ مہاراج آپ ان کی آوازیں سن سکتے ہیں۔

شاستری : اندرا دیوی ہم بچ گئے۔ ہم صاف بچ گئے۔ بھارت کے دیوتا ہماری مدد کر رہے ہیں۔

اندرا گاندھی : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

شاستری : آپ کو ابھی سمجھ آ جائے گی۔ اب آپ کو آل انڈیا ریڈیو پر قومی سیاپا کا لمبا چوڑا پروگرام پیش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ آپ یہ

دیکھیں گی کہ دہلی کی تمام دیویاں اور اس کے بعد بھارت کی تمام دیویاں ہمارے سوا تمام دنیا کا سیاپا کر رہی ہیں۔

جنرل چودھری : پردھان منتری جی! آپ تو بچ جائیں گے۔ لیکن ہمارا کیا بنے گا؟

شاستری : آپ کا کیا بنے گا —— ؟ آپ کو پھولوں کے ہار پیش کئے جائیں گے۔ آپ کے چرنوں کی مٹی آنکھوں سے لگائی جائے گی —— (سیکرٹری سے) تم ان دیویوں کو اندر لے آؤ —— اُنہیں لان میں بٹھاؤ۔ اُنہیں شربت اور آئس کریم پیش کرو۔ اور اُنہیں یہ کہو کہ ہم لوگ بہت مصروف ہیں —— لیکن ہم بھارت کی دیویوں کو مایوس نہیں کر سکتے۔

اندرا گاندھی : آپ اتنی جلدی اُنہیں لان میں بٹھانے کا انتظام نہیں کر سکیں گے۔ اب شام ہونے والی ہے۔ اور اُنہیں بلیک آؤٹ سے پہلے گھر بھیجنا ضروری ہے، اس لئے شربت یا آئس کریم کی دعوت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شاستری : (سیکرٹری سے) اچھا تم اُنہیں لان کے اندر لے آؤ۔ ہم وہاں کھڑے کھڑے باتیں کر لیں گے۔

(سیکرٹری چلا جاتا ہے)

چوہان : لیکن مہاراج ہمیں یہ تو بتائیے کہ آپ اُن کے ساتھ کیا باتیں کریں گے۔

شاستری : چوہان جی آپ فکر نہ کریں۔ اگر جنرل چودھری اور ایئر مارشل ارجن سنگھ جی نے کسی بدحواسی کا مظاہرہ نہ کیا تو ہمارے لئے ان دیویوں سے

نپٹنا مشکل نہیں ہوگا +

وقفہ

(کمرے سے باہر کشادہ لان میں لڑکیوں کا ہجوم بھارت ماتا کی جے ——— اور
اکھنڈ بھارت کی جے" کے نعرے لگا رہا ہے۔ رادھا کرشنن اور بھارت کے وزرا
جنرل چودھری اور ایئر مارشل ارجن سنگھ کمرے سے باہر نکلتے ہیں تو لڑکیاں
بھاگ کر ان کے گرد جمع ہو جاتی ہیں۔ اور ان کو پھولوں کے ہار پہناتی ہیں سب
سے زیادہ ہار جنرل چودھری کے حصے آتے ہیں۔)

ایک لڑکی : سینا پتی جی! آپ کی جے ہو۔ ہم دو گھنٹے سے آپ کو تلاش کر رہی ہیں۔
ہم آپ کا جلوس نکالنا چاہتی تھیں۔ لیکن اب بلیک آؤٹ ہونے والا ہے۔
بھگوان کے لئے ہمیں کل کوئی وقت دیجئے۔

(جنرل چودھری پریشان ہو کر ادھر اُدھر دیکھتا ہے)

شاستری : (برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر بلند آواز میں) میری بہنو اور بیٹیو!
بھارت کے بہادر سینا پتی کی حوصلہ افزائی کے لئے ہم سب آپ کا شکریہ
ادا کرتے ہیں لیکن آپ کو ان کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

دوسری لڑکی : ہم سینا پتی جی کی زبان سے بھارت کی بہادر فوج کے کارنامے
سننا چاہتی ہیں۔

تیسری لڑکی : ہم رکھشا منتری سے درخواست کرتی ہیں کہ ہمیں لاہور جانے کی
اجازت دی جائے۔

چوتھی لڑکی : ہمارے لئے اسپیشل گاڑی کا انتظام کیا جائے۔ ہم لاہور فتح کرنے والے
سورماؤں کا درشن کرنا چاہتی ہیں۔

پہلی لڑکی : مہاراج ہم یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ راولپنڈی کب فتح ہوگا؟

شاستری : (بلند آواز میں) بھگوان کے لئے سینا پتی جی کو پریشان نہ کرو۔ میری بات
سنو!

پہلی لڑکی : پردھان منتری جی! آپ کی باتیں ہم ہر روز سنتی ہیں لیکن آج ہم سینا پتی
مہاراج کی باتیں سننا چاہتی ہیں۔

اندرا گاندھی : سینا پتی جی مہاراج بہت مصروف ہیں۔ جب وہ جنگ سے فارغ ہو
جائیں گے تو آپ جی بھر کر ان سے باتیں کر سکیں گی۔

تیسری لڑکی : ہم سینا پتی مہاراج کا وقت ضائع نہیں کریں گی۔ ہم ان سے صرف یہ پوچھنا
چاہتی ہیں کہ جنگ کب ختم ہوگی۔ اور اناج کب سستا ہوگا؟

جنرل چودھری : (ایئر مارشل ارجن سنگھ کو ایک طرف کرتے ہوئے دبی زبان سے)
سردار جی! ہم پھنس گئے۔

ارجن سنگھ : یہاں سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو ٹیلیفون کرتا
ہوں کہ ہوائی حملے کا سائرن بجا دیا جائے۔

جنرل چودھری : ٹھہرو اگر پردھان منتری انہیں ٹالنے میں کامیاب نہ ہوتے تو یہ
ہمارا آخری حربہ ہوگا۔

شاستری : آپ اناج سستا کرنا چاہتی ہیں یا جنگ جیتنا چاہتی ہیں؟

پہلی لڑکی : ہم ..... ہم جنگ جیتنا چاہتی ہیں۔

شاستری: اگر آپ جنگ جیتنا چاہتی ہیں تو آپ کو سیناپتی جی سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ
ہمیں اناج کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک وقت بھوکی رہ سکتی ہیں اور اگر ضرورت
پڑے تو دونوں وقت بھوکی رہ سکتی ہیں۔ پھر ہمارے سیناپتی خوش ہو کر آپ کو
یہ جواب دیتے کہ اگر بھارت کی دیویاں بھارت کی فتح کے لئے دو وقت کی بھوک
برداشت کر سکتی ہیں تو بھارت کی سینا مٹی پھانک کر بھی لڑ سکتی ہے۔
پہلی لڑکی: سیناپتی کی جے (تمام لڑکیاں سیناپتی جی کی جے کے نعرے لگاتی
ہیں ---)
شاستری: آپ کو صرف بھارت کی جے کا نعرہ لگانا چاہیئے۔ اور بھارت کی جے
کا نعرہ لگاتے وقت یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ ملک جنہیں جنگ میں ہماری
حمایت کرنا چاہیئے تھی کھلم کھلا پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں۔ چین تو ہمارا
دشمن تھا ہی لیکن اب انڈونیشیا میں بھی "بھارت مردہ باد" کے نعرے لگائے جا
رہے ہیں۔ بدیشی ملکوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جن کی راجدھانیوں میں آئے
دن بھارت کا سیاپا نہیں ہوتا۔ بھارت کی بہادر فوج پاکستان سے لڑ سکتی ہے
لیکن پاکستان کے دوست ملکوں میں بھارت کا جو سیاپا ہو رہا ہے اس کا جواب
بھارت کے عوام ہی دے سکتے ہیں۔ ہمارے سیناپتی کو آپ سے شکایت ہے
کہ بھارت کی وہ دیویاں جنہوں نے صدیوں قبل ناچ اور راگ کی طرح سیاپے
کو بھی ایک فن بنا دیا تھا۔ اس نازک موقع پر اپنے قومی فرض سے غافل ہیں ---
اگر تم اس جنگ میں حصہ لینا چاہتی ہو تو پورے جوش کے ساتھ چین، انڈونیشیا،
ترکی، ایران دنیائے عرب کے ان ممالک کا سیاپا کرو جو کھلم کھلا پاکستان کا

ساتھ دے رہے ہیں۔ تم یو این او کے ان ملکوں کا سیاپا کرو جو بھارت کو ایک
جیتی ہوئی جنگ بند کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ تم برطانیہ اور امریکہ کا سیاپا کرو
کہ انہوں نے کھل کر ہماری حمایت کرنے کی بجائے ہمیں وافر اسلحہ، روپیہ دینا
بند کر دیا ہے۔ اگر امریکہ کو اس بات کا خوف ہوتا کہ اس نے ہمیں مزید ٹینکوں اور
ہوائی جہازوں کے علاوہ اپنا وافر سرمایہ نہ دیا تو بھارت کی دیویاں اُن کا سیاپا کرنے
پر مجبور ہو جائیں گی۔ اور جب بھارت کی دیویاں سیاپا کرنے پر مجبور ہو جائیں گی تو
بھارت کے مرد بھی ان کا ساتھ دیں گے تو آج مجھے یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ
آتی کہ تمہیں جنگ جیتنے کے لئے فاقے کرنے پڑیں گے۔ بھارت میں چالیس
کروڑ انسان بستے ہیں اور دنیا کی کوئی قوم چالیس کروڑ انسانوں کا سیاپا برداشت
نہیں کر سکتی --- بھارت کا یہ ہتھیار ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے ---
جب بھارت کی پوری آبادی ایک ساتھ سیاپا کرے گی تو اُن کی آواز سات سمندر
پار سنائی دے گی۔ پھر وہ حکومتیں جو آج ہمارے حال پر توجہ نہیں دیتیں، یہ کہنے
پر مجبور ہو جائیں گی کہ بھگوان کے لئے جو چاہو لے لو۔ لیکن ہمارا سیاپا نہ کرو۔ لیکن
ہمارا یہ حال ہے کہ کشمیر کے چالیس لاکھ انسانوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے ---
سری نگر میں ہر روز ہمارا سیاپا ہوتا ہے لیکن بھارت کی دیویاں خاموش ہیں۔
پہلی لڑکی: مہاراج ہم خاموش نہیں رہیں گی۔
دوسری لڑکی: پردھان منتری جی! ہم صبح و شام سیاپا کیا کریں گی۔
تیسری لڑکی: جو لوگ سیاپا کرنے میں ہمارا ساتھ نہیں دیں گے ہم ان کی دکانوں اور
ان کے مکانوں پر پکٹنگ کیا کریں گی۔

شاستری: بدیشی ملکوں کا خیال ہے کہ پاکستان کے خلاف صرف بھارت کی حکومت اور فوج کی جنگ ہے۔ لیکن چالیس کروڑ انسانوں کے سیاپے سے انہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس جنگ میں پوری قوم حکومت اور فوج کے ساتھ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ خطرناک حالات میں ہمیں کچھ عرصہ کے لئے جنگ بند کرنی پڑے لیکن سیاپے کا محاذ ایک منٹ کے لئے بھی کمزور نہیں ہونا چاہیئے۔ بعض بزدل لوگ دشمن کے خوف سے دہلی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ اور جب پولیس انہیں روکتی ہے تو وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہونے کی بجائے اُلٹا حکومت کا سیاپا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بھارت کے دشمن ہیں اور تم وعدہ کرو کہ تم ان کا منہ بند کر دو گی۔

پہلی لڑکی: مہاراج ہم وعدہ کرتی ہیں۔ ہم اسی وقت بھارت کے دشمنوں کا سیاپا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم ہر شام آپ کے مکان پر جمع ہو کر سیاپا کیا کریں گی۔

شاستری: نہیں، میرے مکان پر نہیں۔

دوسری لڑکی: پردھان منتری کے مکان پر اتنی جگہ نہیں لیکن راشٹرپتی کے محل کے لان میں ہزاروں لڑکیاں سما سکتی ہیں۔

رادھا کرشنن: نہیں نہیں، اگر تم میرے یا پردھان منتری کے گھر میں سیاپا کرو گی تو بدیشی ملکوں کے سفیر یہ سمجھیں گے کہ ہمیں کچھ ہو گیا ہے۔ اگر انہیں یہ غلط فہمی نہ ہو تو بھی وہ یہی کہیں گے کہ تم اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ہمارے کہنے پر سیاپا کر رہی ہو۔

تیسری لڑکی: راشٹرپتی درست کہتے ہیں۔ ہمیں مکانوں کی بجائے کھیل کے میدانوں یا گلیوں اور بازاروں میں سیاپا کرنا چاہیئے۔

اندرا گاندھی: بہنو! اب شام ہونے والی ہے۔ تمہیں بلیک آؤٹ سے پہلے اپنے اپنے گھر پہنچ جانا چاہیئے۔

پہلی لڑکی: لیکن سیناپتی جی نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ آج ہماری فوج نے پاکستان کا کون سا شہر فتح کیا ہے۔

جنرل چودھری: بہنو! آج میں بہت پریشان ہوں۔ ائیر مارشل ارجن سنگھ کا خیال ہے کہ آج دہلی پر ہوائی حملہ ہوگا۔

(لڑکیاں ایک ساتھ شور مچاتی ہیں ہوائی حملہ! ہوائی حملہ!! ہوائی حملہ!!!)

ائیر مارشل ارجن سنگھ: اس وقت دشمن کے ہوائی جہاز جالندھر اور ہلواڑہ آدم پور کے ہوائی اڈوں پر حملہ کر رہے ہیں اور ہمیں ڈر ہے کہ آج رات شاید وہ دہلی پر بم برسانے کی کوشش کریں۔ (چند لڑکیاں گیٹ کی طرف بھاگتی ہیں)۔

پہلی لڑکی: اگر دہلی پر ہوائی حملے کا خطرہ ہے تو ائیر مارشل یہاں کیا کر رہے ہیں؟

چون: ائیر مارشل ہمیں یہ بتانے آئے تھے کہ رات کے وقت ہمیں پناہ گاہوں سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔

دوسری لڑکی: ائیر مارشل نے ہمیں یہ کیوں نہیں بتایا کہ ان کے نزدیک ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں؟

چون: ائیر مارشل حملے کے وقت سائرن بجانے کا حکم دے سکتے ہیں لیکن

ہر گھر میں نہیں جا سکتے۔

اندرا گاندھی: اب ہمیں فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے؟

پہلی لڑکی: بہنو! چلو۔ جلدی کرو۔

(آن کی آن میں تمام لڑکیاں بھاگ جاتی ہیں)

شاستری: (ارجن سنگھ سے) آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آج دہلی پر ضرور حملہ ہوگا؟

جنرل چودھری: دہلی پر حملہ نہیں ہوگا مہاراج ارجن سنگھ جی ان چڑیلوں سے ہمارا پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔

چون: میں سمجھ گیا تھا لیکن انہیں یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم نے اُن کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

ارجن سنگھ: انہیں شبہ نہیں ہوگا مہاراج! اگر آپ اجازت دیں تو آج رات دو تین مرتبہ سائرن بجا دیا جائے۔

شاستری: لیکن آپ نے انہیں یہ نہیں کہا تھا کہ آج رات ہوائی حملہ کا سائرن بجا دیا جائے گا ــــ آپ نے تو یہ کہا تھا کہ آج رات شاید دشمن کے ہوائی جہاز بمباری کریں گے۔

ارجن سنگھ: بمباری تو میں نہیں کر سکتا لیکن آپ اگر بُرا نہ مانیں تو رات کے وقت سائرن کے بعد اپنے ہوائی جہازوں کو دہلی پر پرواز کرنے کا حکم دے سکتا ہوں۔

سورن سنگھ: میرے خیال میں اگر دہلی سے دو چار میل دُور کسی کھیت میں دو چار

بم پھینک دیئے جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

اندرا گاندھی: ہرگز نہیں۔ چون جی آپ اپنے ایر مارشل کو منع کریں۔ ورنہ جو بم کھیتوں میں پھینکے جائیں گے وہ ہمارے گھروں پر گریں گے۔

کرشنم اچاری: اندرا دیوی بالکل ٹھیک کہتی ہیں بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں۔ اگر سائرن بجانے کے بعد دہلی پر ہوائی جہاز اڑانا بھی ضروری سمجھا جائے تو فوج کو یہ ہدایت ہونی چاہیئے کہ وہ نیچے سے فائر نہ کریں۔ ورنہ ایک دو جہازوں کی تباہی یقینی ہے اور یہ ہوائی جہاز گرے بھی تو کسی ایسی جگہ گریں گے جہاں بھارت کا زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔

ارجن سنگھ: میں بے وقوف نہیں ہوں۔

شاستری: آپ بے وقوف نہیں ہیں سردار جی لیکن جنگ کے واقعات کے پیش نظر آپ اُن ہوابازوں کو عقلمند ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دے سکتے جو امرتسر کو لاہور سمجھ لیتے ہیں۔

اندرا گاندھی: مجھے یقین ہے کہ ارجن سنگھ جی پوری احتیاط برتیں گے۔ شاستری جی! میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔

شاستری: کس بات پر؟

اندرا گاندھی: آج آپ نے کمال کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد انبالہ میں سیاپا کرنے والے ہمیں دہلی میں پریشان نہیں کریں گے۔

نندہ: اب آپ کو آل انڈیا ریڈیو سے سیاپے کا پروگرام شروع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ــــ میرا خیال تھا کہ ان لڑکیوں کو یہیں پر

سیاپا کرنے کی مشق کرائی جائے۔ بھگوان کا شکر ہے کہ راشٹرپتی یہاں موجود تھے۔ ورنہ شہر میں افواہ پھیل جاتی کہ شاستری جی کو کچھ ہوگیا ہے۔

شاستری: میں بے وقوف نہیں ہوں۔ اگر راشٹرپتی جی یہاں نہ ہوتے تو بھی میں انہیں اپنے گھر میں سیاپا کرنے کی اجازت نہ دیتا ـــــ سیٹھ دھنی رام اور مول چند کہاں ہیں؟

ارجن سنگھ: وہ لڑکیوں سے پہلے بھاگ گئے مہاراج! اب وہ اپنے گھر پہنچ گئے ہوں گے۔

چوہان: تم نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا تھا؟

ارجن سنگھ: ہاں مہاراج! میں نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ سیٹھ دھنی رام جی گیٹ کے قریب ایک لڑکی کا دھکا لگنے سے گر پڑے تھے ـــــ اور چند لڑکیاں اُن کے اُوپر سے گزر گئی تھیں۔

اندرا گاندھی: لیکن میں نے انہیں بھاگتے یا گرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ارجن سنگھ: شریمتی جی! اُنہیں دیکھنے کے لئے ایک تجربہ کار ہواباز کی نگاہوں کی ضرورت تھی۔

چوتھا منظر

بھارت کے پردھان منتری کے دفتر میں ایک بیضوی میز کے گرد اندرا گاندھی گلزاری لال نندہ، مسز انیم، مسٹر پاٹل، کرشنم اچاری، مسٹر چوہان بیٹھے ہوتے ہیں۔

پردھان منتری کا سیکرٹری کمرے میں داخل ہوتا ہے اور شاستری کے بائیں ہاتھ ایک خالی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ شاستری کی کرسی کے پیچھے انگیٹھی پر نہرو اور گاندھی کی تصویریں ہیں جن کے فریم سنہری ہیں۔ دائیں ہاتھ دیوار کے ساتھ بھارت، پاکستان اور کشمیر کا نقشہ ہے۔ شاستری ایک فائل کی ورق گردانی کر رہا ہے۔ کمرے کی گھڑی سوا نو بجاتی ہے۔ شاستری فائل بند کر کے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتا ہے۔

شاستری: کل میں نے شری کامراج کو بھی اس میٹنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی لیکن ان کی طبیعت خراب ہے اور ڈاکٹر نے اُنہیں تین دن آرام

کا مشورہ دیا ہے۔ شری کامراج جی کی خواہش تھی کہ اُن کی جگہ سیٹھ دھنی رام اور مول چند کو بلا لیا جائے۔ میں اُنہیں ٹالنے کی کوشش کرتا۔ لیکن جب میں نے ٹیلیفون کیا تھا تو یہ دونوں اُن کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اب وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ آپ کی طرح مجھے بھی ان کی بیہودہ باتوں سے الجھن ہوتی ہے۔ لیکن وہ کانگرس کے سرپرست ہیں اور دہلی کے کاروباری حلقوں کے علاوہ جن سنگھ اور سیوک سنگھ جیسی خالص ہندو جماعتیں بھی ان کا احترام کرتی ہیں۔ اس لئے میں آپ سے اور بالخصوص شری نندہ جی اور چوّن جی سے درخواست کروں گا کہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ لیجئے وہ آ گئے۔

(دھنی رام اور مول چند کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور شاستری اور دوسرے وزراء کو پرنام کرنے کے بعد اندرا گاندھی اور نندا کے درمیان خالی کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

دھنی رام: (شاستری سے) معاف کیجئے مہاراج! مجھے ذرا دیر لگ گئی۔ بات یہ تھی کہ میں مٹھائی تقسیم کروا رہا تھا۔

نندہ: سیٹھ جی! مٹھائی تو شاید آپ نے پرسوں تقسیم کی تھی۔

دھنی رام: مہاراج پرسوں میں نے آپ کے گھروں میں جس مٹھائی کے ٹوکرے بھیجے تھے، وہ خالص گھی کی تھی۔ کل بھی میں نے خالص گھی کے تین من لڈو تقسیم کئے تھے۔ پرسوں میں نے وزیروں، سیکرٹریوں، کانگرس کے لیڈروں اور اپنے دوستوں کو جو لڈو بھیجے تھے وہ خالص گائے کے گھی کے تھے۔ کل والی

مٹھائی میں گائے کے ساتھ بھینس کا گھی بھی ملا ہوا تھا۔ قیمت میں کوئی فرق نہیں ہوتا مہاراج صرف بھینس کا گھی ذرا بھاری ہوتا ہے۔ اس لئے کل والی مٹھائی سکولوں میں تقسیم کی گئی تھی۔

سبرانیم: اور آج؟

دھنی رام: آج عام لوگوں کی باری تھی۔ اس لئے خالص بناسپتی کے پانچ من لڈو تقسیم کئے گئے تھے۔

مول چند: میں نے تو جنگ بندی کی خبر سن کر اُسی روز خالص گھی کے سات من لڈو تقسیم کر دئے تھے۔ شاستری جی! آپ نے لڈو کھائے تھے؟

چوّن: آج کل پردھان منتری کی ذمہ داریاں کچھ ایسی ہیں کہ وہ آپ کے لڈو کھا کر بیمار ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

شاستری: مول چند جی میں نے بھی آپ کے لڈو کھائے تھے۔

مول چند: چوّن جی میں نے آپ کو بھی ایک ٹوکرا بھیجا تھا۔

چوّن: میں آپ کا شکرگزار ہوں لیکن اب ہمیں کچھ کام کرنے دیجئے۔

دھنی رام: (شاستری سے) مہاراج جنگ دوبارہ شروع ہو جانے کا تو خطرہ نہیں ہے؟

سبرانیم: سیٹھ دھنی رام کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی مٹھائی رائیگاں تو نہیں جائے گی؟

دھنی رام: مجھے مٹھائی کی پروا نہیں مہاراج! مجھے صرف بھارت کے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی فکر ہے۔

چوّن: شاستری جی! مجھے معلوم تھا کہ یہ وقت ضائع کریں گے۔ بھگوان کے لئے آپ اپنا کام شروع کریں۔

شاستری: میں آج کوئی خاص بات نہیں کہنا چاہتا۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بھارت کو جن حالات نے جنگ بند کرنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ رکھشا منتری چوّن جی دو دن قبل آپ کو سترہ دن کے نقصانات کی رپورٹ پیش کر چکے ہیں اور اب آپ کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر ہم سلامتی کونسل کی قرارداد منظور نہ کرتے تو ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہم نے امن کی خاطر نہیں بلکہ جنگ سے مایوس ہو کر جنگ بندی کی ہے۔ ۲۱ اور ۲۲ ستمبر کی درمیانی رات ہم نے تمام محاذوں پر قوت کے ساتھ حملے کئے تھے۔ اور میں نے آپ کے مشوروں کے مطابق سینا پتی کو یہ حکم دیا تھا کہ ہماری بے پناہ گولہ باری کے باعث اگر کسی محاذ پر دشمن کے پاؤں اُکھڑ جائیں تو وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھیں، اور سلامتی کونسل کی پرواہ نہ کریں۔ ہمارا توپخانہ ساری رات دشمن پر گولہ باری کرتا رہا۔ صرف کھیم کرن کے محاذ پر ہماری توپوں نے تقریباً پانچ ہزار گولے گرائے تھے۔ اس کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا۔ کہ ہماری فوجیں دشمن کی لاشوں پر سے گزرتی ہوئی قصور، لاہور اور سیالکوٹ میں داخل ہو جاتیں۔ لیکن ہُوا یہ کہ دشمن نے ہمیں ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہیں دیا۔ رات بھر کی گولہ باری کا نتیجہ صرف یہ تھا کہ ہم نے دشمن کو اپنے مورچوں سے باہر نہیں نکلنے دیا یا انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی سونے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اگلی رات ہم صرف اپنے ان بھرپور حملوں کی ناکامی کے باعث ہی نہیں

بلکہ دشمن کے جوابی حملوں کے خوف سے جنگ بند کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو میں بھارت کے عوام کے سامنے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن آپ سے کوئی بات چھُپانا میرے نزدیک ایک جُرم ہے۔

جنگ بندی سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم دشمن کو نیچا دکھانے کا ارادہ ترک کر چکے ہیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ نئے حملے کی تیاری کے لئے ہمیں وقت کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان بڑی طاقتوں کا شکر گزار ہونا چاہیئے جنہوں نے ہمیں سنبھلنے اور تیاری کرنے کا موقع دیا ہے۔ اگر ہم وسیع پیمانے پر دشمن کے جوابی حملے کا خطرہ مول لئے بغیر جنگ کی سی حالت برقرار رکھیں۔ یعنی اِکّا دُکّا حملوں سے پاکستان کو نقصان پہنچاتے رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کے سامنے پاکستان کی جارحیت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں تو اس کے دو فائدے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ ہمیں فیصلہ کُن جنگ کے لئے تیاری کا موقع مل جائے گا اور ہماری فوج کے حوصلے بلند رہیں گے۔ دوسرا یہ کہ بھارت کے جن انتہا پسند لوگوں کی تسکین کے لئے ہم نے ۶ ستمبر کو پاکستان پر حملہ کیا تھا۔ انہیں ملک کے عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اب ہمیں ٹھنڈے دل سے یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرح جلد از جلد اپنے لشکر کی تعداد اور جنگی وسائل میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

مول چند: مہاراج! پاکستان کے خلاف نئی جنگ کی تیاریوں کے متعلق بحث کرنے سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہم نے گزشتہ جنگ سے

کیا حاصل کیا ہے۔ اگر آپ کے سیناپتی یہی کہنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے سپاہی بھارت کے سپاہیوں سے بہتر ہیں تو یہ خوشخبری ہم جنگ کے بغیر بھی سُن سکتے تھے۔

شاستری: یہ تلخ باتوں کا وقت نہیں۔ بھارت کو ہمارے اتحاد کی ضرورت ہے اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ گزشتہ جنگ میں ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکم ازکم ہم یہ تو ثابت کر چکے ہیں کہ بھارت کے چالیس کروڑ انسان کشمیر کو اپنے دیش کا اٹوٹ انگ ثابت کرنے کے لئے جان کی بازی لگا سکتے ہیں۔

دھنی رام: لیکن اس سے کہیں زیادہ پاکستان کے دس کروڑ انسان یہ ثابت کر چکے ہیں کہ آپ بھارت کے چالیس کروڑ انسانوں کا بلیدان دے کر بھی کشمیر کو بھارت ماتا کا اٹوٹ انگ نہیں بنا سکتے۔

مول چند: شاستری جی! آپ کو یہ بات ماننا پڑے گی کہ آپ نے بھارت کے دس ہزار انسان مروا کر دنیا کے سامنے کشمیر کا مسئلہ زندہ کیا ہے۔

کرشنم اچاری: کشمیر پر قبضہ رکھنے کے لئے ہم نے اٹھارہ سال جنگ کی تیاریاں کی ہیں اور سترہ دن جنگ لڑی ہے۔ اس عرصہ میں ہم نے بھارت کی جتنی دولت لٹائی ہے وہ اگر کشمیر کی پوری آبادی پر تقسیم کی جائے تو فی آدمی دس ہزار روپے سے اُوپر بنتے ہیں اور برطانیہ نے ڈیڑھ سو سال آدھی دنیا کے انسانوں کو غلام رکھنے کے لئے بھی اتنی رقم خرچ نہیں کی ہوگی۔

شاستری: مجھے معلوم نہیں آپ کس طرح حساب لگاتے ہیں۔ لیکن اگر آپ کا حساب درست ہو تو بھی آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ برطانیہ نے گھوڑوں

کے زمانے میں فتوحات حاصل کی تھیں اور ہمیں ٹینک اور ہوائی جہاز کے زمانے میں بھارت کا بول بالا کرنے کا موقع ملا ہے۔ آپ کو روپے کے متعلق نہیں سوچنا چاہیئے۔ بھارت ماتا کی عزت کا خیال کرنا چاہیئے۔

کرشنم اچاری: میں دونوں کے متعلق سوچتا ہوں شاستری جی! آپ بھارت ماتا کا سونا چاندی اور بھارت ماتا کی عزت دونوں خاک میں ملا چکے ہیں۔ آپ کو چرچل بننے کا شوق تھا تو آپ کو انگلستان میں پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ آپ نپولین کہلانا چاہتے تھے تو آپ کو فرانس میں پیدا ہونا چاہیئے تھا۔

اندرا گاندھی: نپولین فرانس میں بلکہ کارسیکا میں پیدا ہوا تھا۔

کرشنم اچاری: مجھے اس سے غرض نہیں کہ نپولین کہاں پیدا ہوا تھا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بھارت چالیس کروڑ ننگے اور بھوکے انسانوں کا وطن ہے۔ جنہیں ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے کہیں زیادہ دھوتیوں اور روٹیوں کی ضرورت ہے۔ آپ سترہ دن کی جنگ میں بھارت کا حشر دیکھ چکے ہیں اور پاکستان کے وزیر خارجہ نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان اپنی آزادی کے لئے ایک ہزار سال تک لڑ سکتا ہے۔

چوان: اگر پاکستان کے دس کروڑ انسان ایک ہزار سال تک لڑ سکتے ہیں تو بھارت کے چالیس کروڑ انسان چار ہزار سال تک لڑ سکتے ہیں۔

کرشنم اچاری: کوئی عقل کی بات کیجئے چوان جی! ہم خوش قسمت ہیں کہ یہ جنگ سترہ دن سے آگے نہیں بڑھی ورنہ آپ کو ملک بھر میں ہائے روٹی ہائے دھوتی کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دیتی (مسز اندرا گاندھی سے) آپ کیوں خاموش ہیں۔

آپ شاستری جی کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ بھارت کے عوام بھوکے مر رہے ہیں۔

سبرانیم: شاستری جی انجان نہیں ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ بھارت کے عوام جنگ کے متعلق نہیں بلکہ صرف دو وقت کی روٹی کے متعلق سوچتے ہیں۔

اندرا گاندھی: لیکن شاستری جی کا خیال ہے کہ انہیں صرف ایک وقت کی روٹی کے متعلق سوچنا چاہیئے۔ اگر ان کی نصیحت پر وہ عمل کریں تو بھارت کی بھوک کا آدھا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔

سبرانیم: آپ کا مطلب ہے کہ اگر وہ دونوں وقت نہ کھائیں تو خوراک کا مسئلہ حل ہو جائے گا؟

کرشنم اچاری: دو وقت نہ کھانے کی صورت میں صرف بھارت کے عوام کی خوراک کا مسئلہ حل نہیں ہو گا بلکہ ہم لاکھوں ٹن غلہ باہر بھیج سکیں گے اور اس کے بدلے اتنا اسلحہ اور بارود حاصل کر سکیں گے کہ شاستری جی، نندا جی اگر آدھی دنیا کے خلاف جنگ شروع کر دیں تو بھی بھارت کو کوئی پریشانی نہ ہو گی۔

شاستری: آپ ہمارا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

چوان: میں سخت احتجاج کرتا ہوں۔ مجھ سے ایسا مذاق برداشت نہیں ہو سکتا۔

کرشنم اچاری: میں مذاق نہیں کرتا۔ لیکن اگر شاستری جی پاکستان کے خلاف چار ہزار سال تک لڑنے کا پروگرام بنا چکے ہیں تو بھارت کے عوام کو دو وقت بھوکا رہنے کی عادت ڈالنی پڑے گی۔

سبرانیم: میرے خیال میں بھارت کے عوام کو بھوکا مارنے کے لئے ہمیں پاکستان کے خلاف دوبارہ جنگ شروع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

شاستری: میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

سبرانیم: میرا مطلب یہ ہے کہ اگر بھارت کی حکومت اپنے عوام کو بھوکا اور ننگا رکھنا چاہتی ہے تو یہ مقصد دوبارہ جنگ شروع کرنے کے بغیر بھی پورا ہو جائے گا ـــــ بھارت کا غلّہ بلیک مارکیٹ میں جا چکا ہے۔ اور اس کی قیمت سو فیصد زیادہ ہو گئی ہے۔ مجھے ہر روز ہر قسم کے تار موصول ہو رہے ہیں۔ آج فلاں علاقے میں قحط کے باعث اتنے انسان ہلاک ہوئے ہیں اور کل فلاں علاقے میں غلّے کے اتنے سرکاری گودام لوٹ لئے گئے ہیں۔ اگر ہم ذخیرہ اندوزی کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ کر سکے تو چند ہفتوں تک سارا ملک قحط کی لپیٹ میں آ جائے گا ـــ

شاستری: اناج کی ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ اسی وقت ہوتی ہے جب ملک میں اناج کا کال ہو۔ اس لئے ہمیں بیوپاریوں کی دوکانوں پر چھاپے مارنے کی بجائے زیادہ اناج پیدا کرنا چاہیئے۔ میں غیر ملکی ذرائع سے اس بات کی تصدیق کر چکا ہوں کہ جنگ کے دوران پاکستان میں غلّے کی قیمتیں گرنی شروع ہو گئی تھیں۔ اور اب کھانے پینے کی تمام چیزیں بے حد سستی ہو گئی ہیں۔

سبرانیم: میری اطلاعات یہ ہیں کہ پاکستان میں صرف غلّہ ہی نہیں ضرورت کی

ہر چیز سستی ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ ادویات بھی پہلے سے سستی ہو گئی ہیں جو باہر سے امپورٹ کی جاتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے تاجر اور خریدار اپنے قومی مسائل کو ایک ہی ذہن سے سوچتے ہیں اور پاکستان کی صنعت اور تجارت پر بھارت کی طرح ان مہاجنوں کا قبضہ نہیں جو کھدر کی ٹوپی کو بلیک مارکیٹ کا لائسنس سمجھتے ہیں۔

مول چند: اگر آپ کا اشارہ گاندھی کیپ کی طرف ہے تو میں احتجاج کرتا ہوں۔ یہ ٹوپی کانگرس کا نشان ہے۔ اور میں بھارت کے کسی وزیر کو ملک کی حکمران جماعت کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

دھنی رام: کھدر کی ٹوپی کی توہین مہاتما گاندھی کی توہین ہے۔

سبرامنیم: میں گاندھی کیپ کی توہین نہیں کرتا۔ لیکن میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اگر بلیک مارکیٹ کی آمدنی سے اپنی تجوریاں بھرنے اور عوام کو بھوکوں مارنے والے یہ ساہوکار یہ ٹوپی پہن لیں تو ان کے جرائم کم ہو جاتے ہیں۔ میں آپ سے بحث نہیں کرتا۔ لیکن مجھے نندہ جی سے یہ پوچھنے کا حق ہے۔ کہ انھوں نے بلیک مارکیٹ ختم کرنے کے لئے کیا کیا ہے؟

نندہ: بھگوان کے لئے مجھے اس بحث میں نہ گھسیٹئے۔ میں سچے دل سے گاندھی کیپ کا احترام کرتا ہوں۔ گاندھی جی کانگرس کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے قیدیں کاٹی تھیں اور مرن برت رکھے تھے۔

سبرامنیم: گاندھی جی نے کھدر کی یہ ٹوپی اس لئے ایجاد نہیں کی تھی کہ چند بنئے بلیک مارکیٹ کے بادشاہ بن جائیں۔ اور روپے جمع کرنے کے شوق میں

بھارت کے عوام کو بھوکوں مار دیں۔

شاستری: سبرامنیم جی! مجھے معلوم ہے کہ بھارت میں اناج کی کمی نے آپ کو بہت پریشان کر دیا ہے۔ لیکن اس کا علاج یہ نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو طعنے دیں بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم وافر غلہ پیدا کریں۔ کیونکہ جب وافر غلہ پیدا ہو گا تو بلیک مارکیٹ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

سبرامنیم: پردھان منتری جی! مجھے یقین ہے کہ اگر ہمالیہ کی ساری مٹی غلے میں تبدیل ہو جائے تو بھی بلیک مارکیٹ ختم نہیں ہو گی۔ بھارت کے بنیئے غلے کے پہاڑ کو سمندر میں غرق کر دیں گے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کریں گے کہ بلیک مارکیٹ ختم ہو جائے۔

نندہ: سبرامنیم جی! آپ خوراک کے وزیر ہیں۔ اگر آپ بھارت کی ضرورت کے مطابق یا اس سے زیادہ اناج پیدا کر سکیں تو میں بلیک مارکیٹ ختم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔

چون: سبرامنیم جی! آپ کو بلیک مارکیٹ اور گاندھی کیپ پر بحث کرنے کی بجائے زیادہ غلہ پیدا کرنے کی تجویز پیش کرنی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ بھارت میں وافر اناج پیدا ہو سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ حکومت کوئی تجویز پیش کرے اور عوام حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔

اندرا گاندھی: میرے خیال میں ہمیں پورے جوش کے ساتھ زیادہ اناج اگاؤ کی مہم شروع کر دینی چاہیئے۔ بھارت کے وزیر اور آل انڈیا کانگرس کے لیڈر عوام کے سامنے تقریریں کریں۔ پھر ان تقریروں کے ریکارڈ آل انڈیا ریڈیو

پرسنائے جائیں۔ اخباروں میں اس قسم کے اشتہار شائع کروائے جائیں
کہ :-

"بھارت ماتا بھوکی ہے۔ بھارت ماتا روٹی کی محتاج ہے۔ بھارت ماتا کے
چالیس کروڑ بچوں کو قحط سے تباہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے بھارت
کے ہر کسان کو یہ عہد کرنا چاہیئے کہ وہ دن رات ہل چلائے گا اور زیادہ غلّہ
پیدا کرے گا۔" ہم گلی گلی اس قسم کے اشتہار لگوا سکتے ہیں: "بھارت کے
کسانو! بھارت کو بھوک سے بچاؤ ـــــ اناج اُگاؤ اور اگر اناج نہ اُگا سکو
تو سبزیاں اُگاؤ اور جب سبزیوں سے جی بھر جائے تو مونگ پھلی اُگاؤ ـــــ مجھے
یقین ہے کہ ملک کا ہر سمجھ دار آدمی اس مہم میں ہمارا ساتھ دے گا۔ مصوّر
بھوکے بھارت کی تصویریں بنائیں گے۔ شاعر اپنی نظموں سے کسانوں میں
جوش پیدا کریں گے۔

سبرامنیم: لیکن شریمتی جی! زیادہ اناج اگانے کے لئے بھارت کے کسانوں کو زیادہ
زمین کی ضرورت ہے۔ اور بھارت کے پاس فالتو زمین کہاں سے آئے گی؟
میرا مطلب ہے کہ بھارت کا وہ کون سا علاقہ ہے جو غیر آباد ہے؟

اندرا گاندھی: مجھے معلوم نہیں۔ کاش ہم آسٹریلیا اور امریکہ کے غیر آباد علاقے اٹھا کر
بھارت لا سکتے۔

شاستری: اندرا گاندھی! بھگوان آپ کا بھلا کرے۔ آپ مذاق مذاق میں ایک کام
کی بات کہہ گئی ہیں۔ ہمیں بھارت کی بجائے امریکہ میں زیادہ اناج اگانے کی
مہم شروع کرنی چاہیئے ـــــ وہاں فالتو زمین بھی ہے اور فالتو زمین

سے کام لینے کے لئے ایسی مشینیں بھی موجود ہیں جن کی بدولت امریکہ کا ایک
کسان بھارت کے ایک لاکھ آدمیوں کے لئے غلّہ پیدا کر سکتا ہے۔ آل انڈیا
ریڈیو کو ہر صبح دوپہر اور شام امریکی کسانوں کے لئے ایک خاص پروگرام نشر کرنا
چاہیئے۔ ہم امریکہ کی حکومت سے اناج مانگنے کی بجائے براہِ راست امریکہ کے
کسانوں سے اس قسم کی اپیلیں شائع کر سکتے ہیں:

"امریکہ کے کسانو! اور بھارت کے بھوکے عوام کے دوستو! بھگوان نے
تمہیں فالتو زمین دی ہے ـــــ تمہارے پاس وہ کارخانے ہیں جو ہر سال
لاکھوں ٹریکٹر تیار کر سکتے ہیں۔ تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن بھارت میں ہر
چیز کی کمی ہے۔ تم اگر انسانیت کا ثبوت دینا چاہتے ہو تو سب سے پہلے بھارت
میں اناج کی کمی کا علاج کرو ـــــ دن رات ٹریکٹر چلاؤ اور بھارت کے
بھوکے عوام کے لئے اناج پیدا کرو ـــــ تمہارے پاس ایسے جہاز موجود
ہیں جن پر ہزاروں ٹن اناج لادا جا سکتا ہے۔ اندرا دیوی! میں آج ہی
صدر جانسن کو ٹیلیفون پر یہ خوش خبری سناؤں گا کہ ہم نے بھارت میں
اناج کی کمی دُور کرنے کا راز معلوم کر لیا ہے ـــــ ہم امریکہ میں زیادہ اناج
اگانے کی مہم شروع کرنا چاہتے ہیں اور اپنے محکمہ اطلاعات کا ایک دفتر
نیویارک یا واشنگٹن منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم وہاں ایک ریڈیو اسٹیشن
بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو صرف ایک عمارت، ایک عدد ٹرانسمیٹر
اور بجلی وغیرہ کے اخراجات مہیا کرنے پڑیں گے۔"

اندرا گاندھی: مہاراج! میں آج یہ محسوس کرتی ہوں کہ آپ کی زبان سے میرے پتا جی

کی آتما بول رہی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ امریکہ میں ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے
کی بجائے ہمیں امریکی خرچ پر ایک ٹیلیویژن اسٹیشن قائم کرنا چاہیئے۔ ریڈیو
کی بجائے ٹیلی ویژن پر بھارت کے قحط کا پروپیگنڈا زیادہ پسند کیا جائے گا۔
ہم بھارت ماتا کو بھوک سے سسکیاں لیتے دکھائیں گے۔ اس کے بعد ہم
یہ دکھائیں گے کہ بھارت کے سنیاسی آ کر اس کی نبض دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ کہہ
کر سر جھکا لیتے ہیں کہ مریض لاعلاج ہے۔ پھر ساری دنیا کے ڈاکٹر باری باری
آتے ہیں۔ لیکن بھارت کے سنیاسیوں کی طرح وہ بھی مایوس ہو کر چلے جاتے
ہیں۔ سب سے آخر میں ایک امریکی ڈاکٹر آتا ہے اور وہ بھارت ماتا کا معائنہ
کرنے کے بعد یہ کہتا ہے کہ مرض بہت پُرانا ہے لیکن لاعلاج نہیں۔ پھر
وہ مسکراتا ہوا دوائی کے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک تازہ ڈبل روٹی نکالتا
ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ یہ تمہاری دوائی ہے۔ بھارت ماتا اُٹھ کر بیٹھ جاتی
ہے۔ ڈبل روٹی کو چُوم کر سینے سے لگاتی ہے۔ لیکن پھر اچانک اس کا چہرہ
مغموم ہو جاتا ہے۔ اور وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتی ہے کہ ڈاکٹر جی! یہ
روٹی واپس لیجئے۔ میں نہیں کھاؤں گی۔ میں بھارت کے چالیس کروڑ بچوں
کی ماں ہوں۔ آپ کو میری بجائے ان کی فکر کرنی چاہیئے —— پھر امریکی ڈاکٹر
اسے تسلی دیتا ہے کہ امریکہ کے کسان چالیس کروڑ کی بجائے اسی کروڑ انسانوں
کا علاج کر سکتے ہیں۔ میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ بھارت ماتا پھر اُٹھ کر بیٹھ
جاتی ہے۔ اس کے بعد اس قسم کا سین دیکھا جاتا ہے۔ ایک امریکی کسان
ایک وسیع میدان میں ٹریکٹر چلا رہا ہے۔ اور بھارتی بچے چاروں طرف خوشی

سے ناچ رہے ہیں۔

شاستری: بھگوان تمہارا بھلا کرے۔ تم نے بھارت کے عوام کو قحط کی تباہی سے
بچا لیا ہے۔

اندرا، پردھان منتری جی یہ باتیں تو میں جلدی میں کہہ رہی ہوں۔ جب مجھے اطمینان
سے سوچنے کا موقع ملے گا تو میں ٹیلی ویژن کے لئے ایسے ڈرامے تیار کراؤں گی
کہ امریکہ کے کسان چوبیس گھنٹے ٹریکٹر چلانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

چوان: اناج کا مسئلہ حل کرنے کے بعد ہمیں پاکستان کے خلاف جنگ لڑنے کے
اسلحہ اور بارود کی ضرورت پڑے گی۔ اس لئے امریکہ کے بھارتی ٹیلی ویژن
اسٹیشن سے آپ کو وہاں کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کے مزدوروں کو جوش دلانے
کے لئے بھی کچھ کرنا پڑے گا۔ مثلاً ٹیلی ویژن کے ڈرامے میں آپ کو اس قسم کی
تبدیلی کرنی پڑے گی کہ امریکی بھارت ماتا کے معائنے کے لئے ایک کی بجائے
دو ڈاکٹر آتے ہیں۔ پہلا اُسے ڈبل روٹی پیش کرتا ہے۔ اور دوسرا اسے توپ،
ہوائی جہاز یا ٹینک کے کھلونے پیش کرتا ہے۔ پھر جب ڈبل روٹی والا
ڈاکٹر اُسے یہ خوشخبری دیتا ہے کہ امریکہ کے کسان چالیس کروڑ کی بجائے
اسی کروڑ بھارتیوں کے لئے اناج پیدا کر سکتے ہیں تو دوسرا ڈاکٹر اسے یہ خوشخبری
دیتا ہے کہ امریکہ کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کے مزدور بھارت کے ہر سپوت کو
ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے مسلح کر سکتے ہیں تو اس ڈرامے کا اختتام بھی کچھ
اس طرح ہوگا کہ جب کسان ٹریکٹر چلاتے ہوں تو بھارت کے عوام کھیت کے
گرد ناچ رہے ہوں۔ اور جب مزدور ٹینک یا ہوائی جہاز بنا رہے ہوں تو

بھارت کے عوام ان کے گرد جمع ہو کر اس قسم کے نعرے لگا رہے ہوں کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور پاکستان سے بھارت کی جنگ ہے

نندہ : شریمتی جی! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ آپ کے خاندان کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے امریکہ کے بھارتی ٹیلیویژن پر بھارت ماتا کے پارٹ کے لئے آپ کی پھوپھی صاحبہ کی خدمات حاصل کی جائیں بھارت کے چالیس کروڑ بیٹوں کی بھوک پر شریمتی وجے لکشمی پنڈت سے بہتر کون آنسو بہا سکتا ہے۔

اندرا گاندھی : بھگوان کا شکر ہے کہ آج ہم کام کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر اس مہم میں ہمیں کامیابی ہوئی تو اس کا سہرا شاستری جی کے سر ہوگا۔ اگر وہ امریکی کسانوں میں زیادہ اناج اگاؤ کی مہم کے متعلق نہ سوچتے تو میرے دل میں ٹیلی ویژن سٹیشن قائم کرنے کا خیال بھی نہ آتا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ شاستری جی کو یہ بات کیسے سوجھی۔

شاستری : بھارت کے عوام کی بھلائی کی باتیں سوچنا میرا فرض ہے۔ جب میں نے یہ خبر پڑھی تھی کہ امریکہ کا ہر پانچواں کسان بھارت کے لئے غلّہ پیدا کرتا ہے تو میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا۔ کہ امریکہ کے سارے کسان بھارت کے بھوکے عوام کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو کیوں محسوس نہیں کرتے۔ آج میں اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس کرتا ہوں کہ جب ہم امریکہ میں ٹیلی ویژن پر زیادہ اناج اگاؤ کی مہم شروع کریں گے تو وہاں کے ہر پانچویں کسان کی بجائے ہر دوسرا یا تیسرا کسان بھارت کے لئے اناج پیدا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

چوہان : جہاں تک زیادہ اناج پیدا کرنے کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ امریکہ کی حکومت ہماری اس تجویز سے اتفاق کرے گی۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں روس اس بات پر ناراض نہ ہو جائے کہ ہم نے اُسے خدمت کا موقع کیوں نہیں دیا۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ ہم سردست امریکہ سے صرف اناج حاصل کریں۔ اور روسی مزدوروں کو بھارت کی ضرورت کے مطابق اسلحہ تیار کرنے پر مجبور کریں۔

اندرا گاندھی : آپ کا مطلب ہے کہ ہمیں روس میں بھی ایک ٹیلی ویژن اسٹیشن قائم کرنا چاہیئے —— ؟

چوہان : ہاں! بھارت کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ امریکہ سے زیادہ سے زیادہ اناج، روس سے زیادہ سے زیادہ توپیں، ہوائی جہاز، ٹینک اور آب دوز کشتیاں حاصل کرے اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ امریکی کسان بھارت کی ضرورت کے مطابق اناج پیدا کرنے کے لئے اپنے کھیتوں میں دن رات محنت کریں اور روسی مزدور بھارت کی جنگی ضروریات پوری کرنے کے لئے چوبیس گھنٹے اسلحہ ساز فیکٹریوں میں کام کریں۔ پھر ہم بھارت کے کروڑوں بے کار کسانوں اور مزدوروں کو فوج میں بھرتی کر کے اپنا اصل کام جاری رکھیں گے۔

پاٹل : اور وہ اصلی کام کیا ہے چوہان جی —— ؟

چوہان : لڑائی کرنا، ملک فتح کرنا اور فتح کرنے کے بعد انہیں بھارت کا اٹوٹ انگ ثابت کرنے کے لئے اور لڑائی کرنا۔

سبرانیم : (حقارت آمیز تبسم کے ساتھ) مجھے صرف بھارت کی غذائی صورتِ حال سے دلچسپی ہے۔ اور آپ نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ امریکہ ہمیں پکی پکائی روٹیاں بھیج دیا کرے تاکہ ہماری دیویوں کو چولھوں میں آگ جلانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس سے بھارت کا ایندھن بھی بچے گا۔ اور بھارت کی دیویاں بھارت کے مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے فارغ ہو جائیں گی۔

کرشنم اچاری : روٹیوں کی بجائے پراٹھے زیادہ بہتر رہیں گے۔ نمکین اور میٹھے پراٹھے، تاکہ ہمیں سالن پکانے کی بھی ضرورت پیش نہ آئے۔

شاستری : آپ مذاق کر رہے ہیں اور موجودہ حالات میں میں ایسا مذاق برداشت نہیں کر سکتا۔

کرشنم اچاری : مذاق آپ کرتے ہیں شاستری جی اور مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ بھارت کی بدقسمتی ہے کہ آپ نے جنگ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ پردھان منتری جی! آپ ایک آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر بیٹھے ہوتے ہیں اور جب آتش فشاں پھٹے گا تو کوئی ہماری مدد کو نہیں آئے گا۔ بھگوان کے لئے ان ننگے بھوکے لوگوں کے حال پر توجہ دیجئے جو صبح و شام حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہیں۔ آپ اٹوٹ انگ کے نعرے لگا کر ان کے پیٹ نہیں بھر سکتے۔ انہیں ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی ضرورت نہیں، روٹیوں اور دھوتیوں کی ضرورت ہے۔

شاستری : وہ اس لئے نعرے لگا رہے ہیں کہ انہیں پچھلی جنگ میں اپنے دل کی

بھڑاس نکالنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن میں اس کا علاج جانتا ہوں وہ ہمیں دہلی میں پریشان نہیں کریں گے۔ انہیں کشمیر کا راستہ دکھایا جا سکتا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں بھارت ماتا کے ننگے اور بھوکے سپوت اپنی بے بسی کا انتقام لے سکتے ہیں۔ درندوں کو صرف کسی شکار گاہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم بھارت کے جن سنگھیوں اور سیوک سنگھیوں کو یہ سمجھا سکیں گے کہ کشمیر ایک ایسی شکار گاہ ہے جہاں تم کسی خطرے کا سامنا کئے بغیر انسانی خون کی پیاس بجھا سکتے ہو۔ پاکستان بار بار کشمیر میں استصوابِ رائے کا مطالبہ صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لیکن اگر ہم عقل سے کام لیں تو یہ اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ہمارے پاس ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو بھارت میں بھوکا مرنے کی بجائے وہاں آباد ہونا پسند کریں گے۔ اندرا دیوی آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے مہاسبھائی، جن سنگھی اور راشٹریہ سیوک سنگھی جوانوں کے دل میں کشمیر جانے کا شوق پیدا کریں۔ آپ انہیں یہ سمجھائیں کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اور بھارت ماتا جی کے اس اٹوٹ انگ میں سات سات چھٹانک کے سیب پیدا ہوتے ہیں۔ وہاں ناشپاتیوں اور خوبانیوں کے جنگل ہیں۔ وہاں زعفران اُگتا ہے۔ وہاں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہیں۔ وہاں دریائے جہلم کا میٹھا امرت پینے اور وادی کی تر و تازہ ہوا میں سانس لینے سے بوڑھے جوان ہو جاتے ہیں۔

اندرا گاندھی : مہاراج! میں جتنا کشمیر کے متعلق جانتی ہوں اتنا آپ نہیں جانتے۔ پتا جی اُٹھتے بیٹھتے کشمیر کی باتیں کیا کرتے تھے۔ بھارت ماتا سے کہیں زیادہ

انہیں اس اٹوٹ انگ سے پیار تھا۔ میں ریڈیو، پریس اور فلم کے ذریعے ایسا پروپیگنڈا شروع کروں گی کہ بھارت کے ہر بچے اور بوڑھے کے دل میں کشمیر جانے کا شوق پیدا ہو جائے۔

شاستری: اس وقت وہاں بچوں اور بوڑھوں کی نہیں بلکہ تندرست جوانوں کی ضرورت ہے۔ جو بچوں اور بوڑھوں کے لئے راستہ صاف کر سکیں۔

اندرا گاندھی: میں آپ کا مطلب سمجھ گئی ہوں مہاراج! لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ کشمیر کو بچوں اور بوڑھوں کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں تو نوجوان بھی وہاں جانے کا خطرہ مول لینا پسند نہیں کریں گے۔

شاستری: اندرا دیوی! ہم انہیں خالی ہاتھ نہیں چھوڑیں گے، پستول اور رائفلیں دے کر بھیجیں گے۔

اندرا گاندھی: لیکن وہ پھر بھی نہیں جائیں گے مہاراج!

شاستری: (چلا کر) وہ کیوں نہیں جائیں گے؟

اندرا: انہیں معلوم ہے کہ سیب کے باغوں اور زعفران کے کھیتوں میں آزادی کا نعرہ لگانے والے چھرے کے جواب میں چھرا اور بندوق کے جواب میں بندوق استعمال کرتے ہیں۔

شاستری: کیا آپ انہیں یہ نہیں سمجھا سکتیں کہ کشمیر میں چند مسلح باغیوں کو کچلنے کے لئے بھارت کی آدھی فوج موجود ہے۔ جس جنگل یا پہاڑ میں ایک باغی پناہ لیتا ہے وہاں ہماری بٹالین پہنچ جاتی ہے۔ اور جس علاقے میں وہ ایک گولی چلاتے ہیں وہاں ہمارا پورا توپ خانہ حرکت میں آتا ہے۔ ہم نے پولیس کی

کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ اس لئے ان جوانوں کو مسلح باغیوں کا مقابلہ کرنے کی نہیں بلکہ غیر مسلح مسلمانوں کی تعداد کم کرنے کی مہم سونپی جائے گی۔ اور یہ کام ایسا ہے جو جن سنگھی، سیوا سنگھی اور مہاسبھائی جوانوں سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔

نندہ: میں جن سنگھ، سیوک سنگھ اور مہاسبھا کے جوانوں کے متعلق آپ سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اگر انہیں اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ ہماری پولیس اور فوج کسی صورت میں بھی مسلح باغیوں سے ان کا تصادم نہیں ہونے دے گی اور ان سے صرف نہتے کشمیریوں کے سینوں میں چھرے گھونپنے یا ان کی بستیاں جلانے کا کام لیا جائے گا تو وہ شیروں کی طرح گرجتے ہوئے کشمیر کا رخ کریں گے۔ لیکن جب آپ انہیں چھروں کی بجائے رائفلیں اور پستول تقسیم کریں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ انہیں کسی فوجی مہم پر بھیجا جا رہا ہے۔ اور ان کا جی کھٹا ہو جائے گا۔ اس لئے پستول اور بندوق وغیرہ کا تو ان کے سامنے نام ہی نہ لیجئے۔ ورنہ اندرا دیوی لاکھ سر کھپائیں وہ کشمیر نہیں جائیں گے۔ ہاں کچھ عرصہ بعد اگر رکھشا منتری جی آل انڈیا ریڈیو پر یہ اعلان کرنے کے قابل ہو جائیں کہ بھارت کی بری اور فضائی افواج نے باغیوں یعنی بندوقوں کے مقابلہ میں بندوقیں چلانے والے باغیوں کو کچل دیا ہے۔ اور کشمیر میں جو مسلمان زندہ رہ گئے ہیں وہ بھارت کی اقلیتوں سے زیادہ بے بس ہیں تو ہمارے یہی جوان چھرے پھینک کر بندوقیں اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

دھنی رام : اگر وہ معمولی چھروں سے بھارت کی مشکل آسان کر سکتے ہیں تو ہمیں رائفلوں اور پستولوں کے اخراجات برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اندرا دیوی آپ انہیں یہ سمجھائیں کہ کشمیر میں انہیں چھرے کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔ انہیں راشن کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ یہ وہ مفید ہتھیار ہے جس سے کشمیریوں کو قتل کرنے کے علاوہ کشمیر کے سیب بھی کاٹے جا سکتے ہیں۔ اور کشمیر کا سیب ایک ایسی غذا ہے جس میں سارے وٹامن موجود ہوتے ہیں۔

اندرا گاندھی : میں کشمیر کے سیب کے رنگ، خوشبو اور ذائقے کے متعلق کتابیں لکھ سکتی ہوں ——— آپ کو معلوم ہے پتاجی کو کشمیر کے سیب کتنے پسند تھے؟

شاستری : کشمیر کے سیب مجھے بھی پسند ہیں۔

اندرا گاندھی : آپ کو پسند تو ہیں لیکن آپ چھلکا اُتار کر کھاتے ہیں اور پتاجی چھلکے سمیت کھایا کرتے تھے۔ ان کے سامنے اگر کوئی چھلکا اُتارتا تھا تو وہ ناراض ہوا کرتے تھے۔ آپ کو یاد ہے ایک دفعہ انہوں نے آپ کے ہاتھ سے چاقو چھین کر پھینک دیا تھا۔

نندہ : مجھے یاد ہے، میں اس دعوت میں شریک تھا۔ آپ کے پتاجی شاستری جی کے ہاتھ سے چاقو چھینتے ہوئے کہا تھا یہ کیلا نہیں، سیب ہے اور اس کے چھلکے میں سونا ہوتا ہے۔

شاستری : پنڈت جی کو چاقو چھینتے وقت میرے دانتوں کا خیال نہیں آیا تھا — وہ

ہمیشہ میرے ساتھ بچوں کا سا سلوک کرتے تھے۔ لیکن اب میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میں بچہ نہیں۔ میں نے وہی چاقو کشمیر کے سینے میں گھونپ دیا ہے۔ میں نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنا دیا ہے۔ اور یہ ایک بات ہے جو پنڈت جی سے اٹھارہ سال میں نہیں ہو سکی۔

کرشنم اچاری : کاش! کشمیر میں سیب، ناشپاتی اور زعفران نہ ہوتا۔ کاش! وہاں کی ہوا انڈیمان سے زیادہ خراب ہوتی اور پانی سمندر کے پانی سے زیادہ کڑوا ہوتا اور ہم اس تباہی سے بچ جاتے۔

شاستری : آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

کرشنم اچاری : میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر نہرو جی اور ان کے بعد شاستری جی کو کشمیر کے ساتھ اتنا پریم نہ ہوتا تو آج ساری دنیا ہمارا مذاق نہ اڑاتی ——— آپ نے اپنی عقل کے چاقو سے بھارت کی کشتی کے پیندے میں سوراخ کر دئے ہیں اور یہ کشتی ڈوب رہی ہے۔ اگر کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنانا اور پاکستان کے ساتھ جنگ لڑنا اتنا آسان ہوتا تو پنڈت نہرو اٹھارہ سال انتظار نہ کرتے۔ کشمیر میں جنگ بندی لائن عبور کرتے وقت آپ کو یہ اُمید تھی کہ بھارت کی فوج مظفر آباد پہنچنے سے پہلے دم نہیں لے گی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن چھمب اور جوڑیاں میں بھارت کے لشکر کو بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانک رہا تھا۔ آپ کے رکھشا منتری نے ہمیں یہ مؤثر خبر سنائی کہ بھارت نے پاکستان پر دھاوا بول دیا ہے اور ہماری افواج چند گھنٹوں کے اندر اندر لاہور کی قسمت کا فیصلہ کر دیں گی۔ آپ کے سیناپتی نے جمخانہ کلب میں آپ کی دعوت کا انتظام کر دیا تھا اور میں نے سنا ہے کہ چوہان جی اس دعوت میں شریک ہونے کی نیت سے ہوائی جہاز میں امرتسر پہنچ گئے تھے۔

بھگوان کا شکر ہے کہ وہ سیدھے لاہور کے ہوائی اڈے پر نہیں اُترے ورنہ ہم پاکستان ریڈیو سے یہ خبر سنتے کہ جنگی قیدیوں میں ایک وزیر صاحب بھی شامل ہو گئے ہیں۔

چوّن : یہ غلط ہے۔ میں امرتسر نہیں گیا تھا۔

کرشنم اچاری : ممکن ہے کہ فوج نے آپ کو انبالہ یا جالندھر روک لیا ہو۔ لیکن آپ چند گھنٹوں کے لئے یقیناً دہلی سے باہر تھے۔ لیکن معاف کیجئے میں جنگ کے متعلق بات کر رہا تھا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ آپ اس دن پارلیمنٹ کو بھارت کے حملے کی خبر سنانے کے بعد کہاں روپوش ہو گئے تھے۔

چوّن : میں آپ کی طرح بزدل نہیں ہوں۔ میرے بزرگوں نے۔۔۔۔

لال بہادر شاستری : چوّن جی! بھگوان کے لئے پانی پت کی تیسری جنگ کا ذکر نہ کیجئے۔

کرشنم اچاری : چوّن جی کو پانی پت کی تیسری جنگ کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم آج بھی انہی حالات کا سامنا کر رہے ہیں جو مرہٹوں کو پانی پت کی تیسری جنگ میں پسپا ہونے کے بعد پیش آئے تھے۔ آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم کسی ہمسایہ ملک کو جنگ کی دھمکی بھی نہیں دے سکتے۔ یہ تو بھگوان کی کرپا تھی کہ حفاظتی کونسل نے فائرنگ بند کروا دی ہے۔ ورنہ شاستری جی نے بھارت کا نپولین، ہٹلر اور چرچل بننے کے شوق میں ہمارا بیڑہ غرق کر دیا تھا۔ پاکستان کو اس جنگ نے ایک قوم بنا دیا ہے۔ پاکستان کے باشندوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنی آزادی کے لئے جان اور مال کی قربانی دے سکتے

ہیں۔ انہوں نے اپنے ماضی کی تاریخ زندہ کی ہے۔ انہوں نے دو سو برس کے بعد پھر ایک بار یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ اپنے محدود جنگی وسائل کے باوجود ہمارے لئے جنگ کے ہر میدان کو پانی پت کا میدان بنا سکتے ہیں۔

سبرامنیم : مہاتما گاندھی جی کو ہندوستان کی تقسیم سے کئی سال قبل اس خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو عدم تشدد کی لوریوں سے سُلانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پاکستانیوں کو شاستری جی اور چوّن جی مہاراج کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے جنگ کا نقارہ بجا کر انہیں جگا دیا ہے۔

کرشنم اچاری : سبرامنیم اگر یہ نقارہ بجاتے تو مجھے اس کی پروا نہ ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ ہمیں چند دن یا مہینے بھارتی نقاروں کے جواب میں پاکستانی نقاروں کی آواز سننا پڑتی۔ پھر اگر ہم یہ دیکھتے کہ پاکستان کی ایک ایک نقارے کی آواز ہمارے چھ چھ نقاروں سے زیادہ مؤثر ہے تو ہم جنگی نقارے کی بجائے امن کی بنسریاں اٹھا لیتے لیکن شاستری جی نے پاکستان کو جگانے کے لئے ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور توپوں کی ضرورت محسوس کی تھی ـــــ پھر بھارتی توپوں اور بموں کے خوفناک دھماکوں سے تھوڑی دیر بعد یہ سُن رہے تھے کہ پاکستان جاگ اُٹھا ہے اور صرف جاگ ہی نہیں اُٹھا بلکہ مقابلہ بھی کر رہا ہے اور مار بھی رہا ہے۔ وہ اپنے ہر ٹینک اور ہر ہوائی جہاز کے عوض ہمارے دس سے

زیادہ ہوائی جہاز تباہ کر رہا ہے۔ اس کی بٹالین کے سامنے ہمارے بریگیڈ اور اس
کی کمپنی کے سامنے بٹالین بھاگ رہی ہے۔ اب ہمارے لئے ایک ہی اطمینان
رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ ہم کشمیر کے نہتے مسلمانوں سے اپنی شکستوں کا انتقام
لے سکتے ہیں۔

شاستری: میں کشمیر کے نہتے مسلمانوں کو یہ نعرے لگانے کی اجازت نہیں دے
سکتا کہ کشمیر بھارت ماتا کا اٹوٹ انگ نہیں ہے۔ میں ساری دنیا کے سامنے
یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ کشمیر کے مسلمان زندہ رہیں یا نہ رہیں، کشمیر بہر حال
ہمارا ہے۔

پاٹل: پردھان منتری جی! کشمیر کے مسلمان بھی اب بھارت کی فوج کی سنگینوں اور
جن سنگھیوں کے چھروں کے جواب میں نعرے نہیں لگائیں گے۔ پاکستان
کے خلاف ہماری جنگ کے نتائج دیکھنے کے بعد وہ بھی مرنے اور مارنے کے
لئے تیار ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پاکستانیوں کی طرح انہیں بھی
بیدار کر دیا ہے۔

چون: اگر آپ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بندی کے متعلق سلامتی کونسل
کی قرارداد منظور کر کے پاکستان سے لڑنے کا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر
دیا ہے تو آپ غلطی پر ہیں۔ پاکستان کے ساتھ ہماری یہ پہلی لڑائی ختم
ہوئی ہے۔ لیکن جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ ہم
اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوتے۔

کرشنم اچاری: آپ کا مطلب ہے کہ ہم اٹھارہ سال اور تیاریاں کریں گے۔ اور

پھر سترہ روز اور زور آزمائی کریں گے۔

چون: پاکستان پر اکھنڈ بھارت کا جھنڈا گاڑنے کے لئے ہم چالیس سال
تیاریاں کر سکتے ہیں۔

پاٹل: یعنی آپ کا مطلب ہے کہ بھارت کے عوام چالیس سال آدھی روٹی اور
آدھی دھوتی پر گزارہ کرتے رہیں گے۔

شاستری: ہرگز نہیں، بھارت کے لئے صرف چند مہینے مشکل ہیں۔ زیادہ سے
زیادہ ڈیڑھ سال اور لگ جائے گا۔ اور اس کے بعد ایک دن اچانک
بھارت کے عوام آل انڈیا ریڈیو پر جب یہ اعلان سنیں گے کہ آج اتنے
بجے جنگ شروع ہوئی تھی اور اتنے منٹ کے بعد ختم ہو گئی ہے۔

اندرا گاندھی: پرامید ہو کر، یہ کیسے ہوگا مہاراج؟

شاستری: یہ ایک بہت بڑا راز ہے۔ میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ ہماری یہ عظیم فتح
فوج کے بغیر ہوگی۔

مول چند: فوج کے بغیر مہاراج؟

شاستری: ہاں۔

اندرا گاندھی: مہاراج بھگوان کے لئے ہمیں ضرور بتائیے۔ ورنہ ہم رکھشا منتری
یا سیناپتی سے پوچھ لیں گے۔

نندہ: مجھے معلوم ہے آپ کا خیال یہی ہے نا کہ آپ چین کے خلاف چھیڑ چھاڑ
کریں گے اور امریکہ کو چین کے خلاف لڑنے پر مجبور کر دیں گے۔ اور پھر
جب امریکہ بھارت کی چھاؤنیوں میں اسلحہ کے ڈھیر لگا دے گا۔ اور

آپ چین کی بجائے پاکستان کے خلاف محاذ کھول دیں گے لیکن فوج
کی ضرورت تو پڑے گی مہاراج !

شاستری : فوج کی ہرگز ضرورت نہیں پڑے گی ۔

اندرا : میں سمجھ گئی مہاراج ! آپ بھارت میں ایٹم بم تیار کرنا چاہتے ہیں ۔

شاستری : میں صرف ایٹم بم ہی نہیں بلکہ ہائیڈروجن بم بھی تیار کرنا چاہتا ہوں لیکن
بدیشی ملکوں کو ابھی صرف یہی معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم امن کے لئے ایٹمی تجربات
کرنا چاہتے ہیں ۔ اور جب یہ تجربات مکمل ہو جائیں گے تو بھارت کے
اعلانِ جنگ اور بھارت کی مکمل فتح کے درمیان صرف چند منٹ کا وقفہ
رہ جائے گا ۔

کرشنم اچاری : اگر بھارت کا یہی ارادہ ہے تو بھارت کی مکمل فتح کا مطلب بھارت
کی مکمل تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ۔

اندرا : آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بھارت کا ایٹم بم بھارت کو ہی تباہ کر
دے گا ۔

کرشنم اچاری : میرا مطلب یہ ہے کہ بھارت ایٹم بم کی تیاری سے پہلے تباہ
ہو جائے گا ۔

اندرا : آپ کا مطلب یہی ہے نا ایٹم بم کے اخراجات بھارت کو اقتصادی
لحاظ سے تباہ کر دیں گے ۔

کرشنم اچاری : میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ۔ میں یہ جانتا ہوں اقتصادی لحاظ سے
بھارت پہلے ہی تباہ ہو چکا ہے ۔

مول چند : آپ اقتصادی تباہی کے بعد کسی اور تباہی کی اُمید
رکھتے ہیں ۔

کرشنم اچاری : میں نے مکمل تباہی کا لفظ استعمال کیا تھا ۔ اس میں ہر قسم
کی تباہی شامل ہے ۔ سب سے پہلے ہم اقتصادی طور پہ تباہ ہو جائیں
گے ۔ اس کے بعد ننگے اور بھوکے عوام چاروں اطراف سے دہلی کا رُخ
کریں گے ۔ اور ہم لوگ جو اُن کے نمائندہ ہونے کے دعویدار ہیں سیاسی
لحاظ سے تباہ ہو جائیں گے ۔ اس کے ساتھ ہی جنوب مشرقی ایشیا کے
ملک بھارت کی ایٹمی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جائیں گے ۔
اور ایٹم بم کی تیاری سے پہلے ہی ہماری فوجی قوت کو تباہ کرنے کی کوشش
کریں گے ۔ پھر اگر ایٹم بم کے اندر کوئی نقص باقی رہ گیا تو ممکن ہے کہ وہ
پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی پھٹ جائے ۔

مول چند : شاستری جی ! یہ خطرہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں ۔ اگر بھارت کا ایٹم بم بھارت
میں ہی پھٹ گیا تو ہم صرف تباہ ہی نہیں ہوں گے بلکہ دنیا بھر میں ہمارا مذاق
بھی اُڑایا جائے گا ۔

سبرامنیم : سیٹھ جی تباہ ہونے کے بعد آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ دنیا آپ کا
مذاق اُڑا رہی ہے ۔

چون : آپ لوگ ایسی منحوس باتیں کیوں کہتے ہیں ۔ روس اور امریکہ آئے دن
ایٹمی تجربات کرتے ہیں لیکن ہم نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ ان کا کوئی بم خود بخود
پھٹ گیا ہے ۔

مول چند : مہاراج میں نے یہ نہیں کہا کہ بھارت کا ایٹم بم خود بخود پھٹ جائے گا۔ لیکن یہ تو ہو سکتا ہے ہمارے ہواباز غلطی سے کسی خطرناک پُرزے کو ہاتھ لگا دیں یا بھارت کے کسی شہر کو پاکستان کا کوئی شہر سمجھ لیں۔ دونوں صورتوں میں ہمیں خطرناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تیسری خطرناک بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہمارا بم تو نشانے پر لگے لیکن پھٹنے کے بجائے پاکستان کے ہاتھ آ جائے۔

دھنی رام : مہاراج یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بم تو بالکل ٹھیک ہو۔ لیکن اُسے لے جانے والا ہوائی جہاز کسی خرابی کی وجہ سے راستے میں گر پڑے۔ پھر ہم نے اس جنگ میں اپنے ان ہوابازوں کے کارنامے بھی تو سُنے ہیں جنہیں پاکستان کے ہوابازوں نے گھیر کر نیچے اُتار لیا تھا۔ شاستری! بھگوان کے لئے ایٹم بم بنانے کا خیال ترک کر دینا چاہیئے۔ بھارت کو امریکہ یا روس بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔

چون : سیٹھ جی! آپ کو معلوم ہے کہ حکومت کی جنگی کوششوں کی مخالفت جُرم ہے۔

دھنی رام : مہاراج! میں جنگی کوششوں کی مخالفت نہیں کر رہا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایٹم بم بنانے اور اُسے استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح اس بات کا اطمینان کر لیں کہ خطرناک ہتھیار بھارت کے لئے خطرناک نہیں ہوگا۔

چون : ہم یہ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس

نہیں۔

دھنی رام : مہاراج! میں ایسی بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ جب تک ایٹم بم بن نہیں جاتا بلکہ پاکستان کے خلاف استعمال نہیں ہو جاتا، یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہونی چاہیئے کہ ہم ایٹم بم بنا رہے ہیں۔

شاستری : اب تم عقل کی بات کر رہے ہو اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس بات کی پوری احتیاط کی جائے گی۔ میں ہر ہفتے یہ اعلان کیا کروں گا کہ بھارت ایٹم بم بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ ہم ریڈیو پر بھی ایٹمی اسلحہ کے خلاف مہم شروع کر دیں گے۔

دھنی رام : لیکن مہاراج مجھے ڈر ہے کہ کم از کم پاکستان پر آپ کے اعلانات کا اثر بالکل اُلٹا ہوگا۔ آپ جس قدر اس بات پر زور دیں گے کہ بھارت ایٹم بم بنانے کا مخالف ہے، اسی قدر پاکستان کے شکوک بڑھتے جائیں گے۔ انہیں یہ یقین ہو چکا ہے کہ ہمارا عمل ہمارے قول کے اُلٹ ہوتا ہے۔

شاستری : تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

کرشنم اچاری : مہاراج آپ کو بھارت کے عوام سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ تمہیں دھوتی اور روٹی کی ضرورت ہے یا ایٹم بم کی۔

شاستری : تمہیں معلوم ہے کہ ایٹم بم کا مسئلہ ابھی عوام کے سامنے نہیں لا سکتے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جب بھارت کے گودام امریکی گندم سے بھر جائیں گے، اور عوام کو پوری روٹی اور پوری دھوتی ملے گی تو وہ خود بخود یہ مطالبہ کریں گے کہ حکومت کو فوراً ایٹم بم تیار کرنا چاہیئے۔ جن سنگھ جیسی جماعتیں انہیں آرام

سے نہیں بیٹھنے دیں گی۔

کرشنم اچاری: جن سنگھ جیسی جماعتیں ہمیں آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گی مہاراج! بھارت کی حکومت اور بھارت کے عوام دونوں اُن کی مٹھی میں ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ جب چاہیں عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کر سکتے ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ عوام کو مشتعل کرنے کے بعد وہ حکومت سے اپنی ہر بات منوا سکتے ہیں۔ ہم عوام کا ایک مسئلہ حل کریں گے تو وہ چار نئے مسائل کھڑے کر دیں گے۔ جب ہم عوام کو آدھی دھوتی اور آدھی روٹی دے سکیں گے تو وہ دو دھوتیوں اور دو روٹیوں کا مطالبہ کریں گے۔ جب ہم ایک محاذ پر لڑیں گے تو وہ ہمارے لئے دو اور محاذ کھول دیں گے۔ پھر جب ہمیں فتح نصیب ہوگی تو اس کا سہرا بجائے ہمارے اُن کے سر ہوگا۔ لیکن جب ہماری افواج کسی محاذ سے مار کھا کر بھاگیں گی تو وہ عوام سے آپ کے ماتمی جلوس نکلوائیں گی۔

شاستری: میرا ماتمی جلوس؟

کرشنم اچاری: صرف آپ کا ہی نہیں مہاراج ہم سب کا۔ لیکن آپ چونکہ پردھان منتری ہیں، اس لئے آپ کا سیاپا زیادہ جوش کے ساتھ کیا جائے گا۔ رکھشا منتری جی دوسرے نمبر پر ہوں گے۔ اس کے بعد باقی وزیروں کی باری آئے گی۔ راشٹرپتی جی شاید یہ کہہ کر بچ جائیں کہ ننکو میرا کہا نہیں مانتے تھے۔

شاستری: میں یہ برداشت نہیں کر سکتا، تمہیں ننکو کا لفظ واپس لینا پڑے گا۔

کرشنم اچاری: مہاراج اگر آپ خفا ہوتے ہیں تو میں ننکو کا لفظ واپس لیتا ہوں۔ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کا یہ نام پاکستان کی طرح بھارت میں بھی مشہور ہو چکا ہے۔

شاستری: میں کہتا ہوں کہ ننکو میرا نام نہیں ہے۔

کرشنم اچاری: مہاراج میں نے یہ نہیں کہا کہ ننکو آپ کا نام ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لفظ کافی مشہور ہو چکا ہے۔

اندرا: مہاراج آپ چالیس کروڑ انسانوں کے پردھان منتری ہیں۔ اور جو اچھی یا بُری بات آپ کے نام کے ساتھ مشہور ہوگی وہ ساری دُنیا میں پھیل جائے گی۔

کرشنم اچاری: اگر آپ پچھلی جنگ میں پاکستان فتح کر لیتے تو بھارت کے عوام فخر سے آپ کو ننکو کہتے ـــــ اور اس دن بھارت میں جو بچے پیدا ہوتے ان میں اکثر کا نام ننکو رکھا جاتا اور ہم خوشی سے لاہور جانے والی سڑک کا نام ننکو روڈ یا دہلی کے چاندنی چوک کا نام ننکو چوک رکھتے۔ لیکن یہ قسمت کی بات ہے کہ سیناپتی چودھری کے ٹینک پورس کے ہاتھی ثابت ہوئے اور پاکستانی فوجوں نے واہگہ، سیالکوٹ اور قصور کے محاذوں کو پانی پت کے میدان سمجھ لیا اور آپ اس نام پر چڑتے ہیں۔ جو اچھے حالات میں ہٹلر یا ہنی بال سے زیادہ مشہور ہو سکتا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب نپولین اٹلی فتح کر رہا تھا تو اس کی فوج کے بہادر سپاہی اُسے پیار سے ننھا کارپول کہا کرتے تھے اور وہ خوش ہوتا تھا۔ شاستری جی! مجھے یقین ہے کہ اگر

آپ کے ہاتھوں پاکستان کا وہی حشر ہوتا جو ہٹلر کے ہاتھوں یورپ یا پنڈت نہرو کے ہاتھوں حیدرآباد کا ہوا تھا یعنی حملہ کرتے ہی مختلف محاذوں پر بھارتی سینا کی پٹائی نہ شروع ہو جاتی تو یہ نام یعنی ننکو بھارت کے ہر بچے اور بوڑھے کی زبان پر ہوتا۔ بھارت کے دوکاندار اشتہار بازی کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے اور ہم ہر شہر میں ننکو سوڈا واٹر، ننکو حلوا، ننکو ہیئر آئل، ننکو خضاب، ننکو سوپ، ننکو کریم، ننکو بلیڈ اور ننکو اچار وغیرہ کے سائن بورڈ دیکھتے۔ بھارت کے شاعر ننکو پر نظمیں لکھتے اور بھارت کی فلم کمپنیاں ننکو بہادر ننکو پہلوان یا ننکو شیر کے نام سے فلمیں تیار کرتیں اور آپ گھر بیٹھے ان سب سے اپنا قیمتی نام استعمال کرنے کا معاوضہ وصول کرتے۔ آنے والی نسلیں آپ کو ننکو بابا یا ننکو دی گریٹ کے نام سے یاد کرتیں۔ اس لئے آپ کو اس لفظ سے چڑنا نہیں چاہیئے بلکہ خوش ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے آپ کے سارے کام اُلٹ ہو گئے اور بھارت کے چالیس کروڑ عوام نے ہائے روٹی ہائے دھوتی کے ساتھ ہائے ننکو کا نعرہ لگانا شروع کر دیا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ لال بہادر شاستری کہنے والوں کے پیچھے لاٹھی اُٹھا کر دوڑا کریں گے۔ لوگ آپس میں باتیں کریں گے اور آپ یہ سمجھیں گے کہ وہ آپ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ شاستری جی! بہت بڑا بننے کی خواہش کرنے والوں کو جب حالات بہت چھوٹا بنا دیتے ہیں تو ان کی حالت اُس ہارے ہوئے جواری کی سی ہوتی ہے جو بالآخر خودکشی کر لیتا ہے۔ ہٹلر کے ساتھ یہی ہوا تھا۔

شاستری: بھگوان کے لئے خاموش رہو۔ میں ہٹلر نہیں ہوں۔ میں خودکشی نہیں کروں گا۔

کرشنم اچاری: مجھے یقین ہے کہ آپ خودکشی نہیں کریں گے۔ لیکن پردھان منتری کی گدی کی حفاظت کے لئے آپ تباہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کا ساتھ دینے سے مجبور ہیں۔ آپ اس وقت اُن کے آگے آگے چلتے رہیں گے جب تک کہ بھارت کے انتہا پسندوں کا قافلہ تباہی کے آخری کنارے نہیں پہنچ جاتا۔ پھر آپ جب اچانک لوٹنے اور اپنے پیچھے آنے والوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ آگے راستہ ختم ہو چکا ہے تو پھر آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ وہ آپ کی زبان نہیں سمجھتے۔ آپ اُن سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے لیکن وہ آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کو معلوم ہے جب گاندھی جی مہاراج نے بھارت کے جنگی دیو کو عدم تشدد کی بوتل میں بند کرنے کی کوشش کی تھی تو ان کا انجام کیا ہوا تھا؟ اور آپ نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اگر شری نہرو جی نے اٹھارہ سال تک کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دینے کی جرأت نہیں کی تھی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ میں آپ کو بتاتا ہوں شاستری جی پنڈت جی کو یہ معلوم تھا کہ ایسا کرنے سے کشمیر کے عوام مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اور جب بھارت اُن کے خلاف فوجی کارروائی کرے گا تو یہ کارروائی صرف کشمیر تک ہی محدود نہیں رہے گی۔ لیکن آپ کو بھارت کا ہٹلر بننے کا شوق تھا۔ آپ بھارت سے یہ انتقام لینا چاہتے تھے کہ آپ کا قد اس قدر چھوٹا کیوں ہے۔ پہلے آپ نے رن کچھ میں پاکستان کے خلاف زور آزمائی کر کے

بھارت کے عوام پر رعب بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہاں منہ کی کھائی۔ بھارت کی فوج ابھی رن کچھ کے زخم چاٹ رہی تھی کہ آپ نے اسے کشمیر میں جنگ بندی لائن عبور کرنے کا حکم دیا اور وہاں ہماری پٹائی شروع ہوئی تو آپ نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ اب حالت یہ ہے کہ سترہ دن کی جنگ میں بھارت فوجی لحاظ سے شکست کھا چکا ہے، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے دیوالیہ ہو چکا ہے۔ لیکن آپ کے دل سے ہٹلر بننے کا شوق پورا نہیں ہوا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ امریکہ کے سامنے جھولی پھیلا کر تھوڑا بہت اناج حاصل کر لیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بڑا ملک آپ کو چند دن اور جنگ کرنے کے لئے اسلحہ فراہم کر دے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بھارت ماتا کے سینے سے خون کے دھارے بہتے رہیں اور بھارت کے سپوت صرف اس اُمید پر لڑتے رہیں کہ آپ نے اُن کے لئے بدیشی راشن اور بارود کا انتظام کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بھارت کے مؤرخ جب بھارت کی تباہی کے واقعات قلمبند کریں گے تو وہ ان ممالک کو بھی معاف نہیں کریں گے جنہوں نے اسلحہ روپیہ اور اناج دے کر بھارت کو جنگ کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ یہ بھی کہیں گے کہ بھارت کے اوّلین دشمن ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف تھے۔ جنہوں نے ضلع گورداسپور کے مسلمانوں کی قربانی دے کر کشمیر کا راستہ صاف کیا تھا۔ وہ کانگرس کے ان لیڈروں کو بھی معاف نہیں کریں گے، جنہوں نے جونا گڑھ اور حیدر آباد پر چڑھائی کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بھارت برطانوی سامراج کا جانشین ہے۔ پھر وہ اقوامِ متحدہ کی

ان بڑی طاقتوں کا ماتم کریں گے جن کے جوڑ توڑ اور سودے بازیوں نے آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ آپ اپنی فوجی قوت کے بل بوتے پر کشمیر پر ہمیشہ کے لئے قابض رہ سکتے ہیں۔ شاستری جی اگر آپ کو بھارت کا ہٹلر بننے کا شوق ہے تو آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہٹلر کا راستہ کسی سٹالن گراڈ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ ہٹلر کی طرح اپنی آخری منزل دیکھنے کے بعد خودکشی نہ کریں اور بھارت کے ننگے اور بھوکے عوام کسی دن آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں جو اٹلی کے ننگے اور بھوکے عوام نے مسولینی سے کیا تھا۔ یعنی آپ کو اُلٹا لٹکا دیا جائے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ بھارت تباہ ہو اور آپ صاف بچ جائیں۔

شاستری: چون جی! نندہ جی! آپ نے سُنا یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ خاموش کیوں ہیں؟ آپ ایسی باتیں کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ میں بھارت کا پردھان منتری ہوں اور میرا ایک ساتھی مجھے عوام کے ہاتھوں پھانسی دلوانے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

نندہ: اور وہ بھی مسولینی کی طرح یعنی ٹانگیں اوپر اور سر نیچے۔

اندرا: مہاراج! مسولینی کے متعلق کرشنم اچاری کی معلومات بالکل غلط ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ باغیوں نے اُسے اُلٹا لٹکانے سے پہلے گولی مار دی تھی۔

شاستری: اندرا دیوی! کیا آپ مجھے یہ سمجھانا چاہتی ہیں کہ اگر عوام مجھے گولی مار کر اُلٹا لٹکا دیں تو میرے لئے فائدے کی بات ہوگی۔

اندرا: میں ایسی باتیں کیسے سوچ سکتی ہوں مہاراج! ہم میں سے کوئی بھی ایسی

منحوس بات نہیں سوچ سکتا۔

سبرامنیم : اندرا دیوی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی باتیں صرف جنگ کے ستائے ہوئے ننگے اور بھوکے عوام سوچ سکتے ہیں۔

شاستری : آپ عوام کو میرے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔

سبرامنیم : عوام یہاں نہیں ہیں مہاراج! ہم آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

شاستری : نندہ جی! آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

نندہ : مہاراج! مجھے اس بحث میں نہ گھسیٹئے۔ میں اُلٹا لٹکنے یا گولی کھانے کی نسبت قدرتی موت مرنا بہتر سمجھتا ہوں۔

شاستری : لیکن پاٹل جی جنگ کی تمام ذمہ داری مجھ پر ڈال رہے ہیں۔

سبرامنیم : آپ بھارت کے پردھان منتری ہیں مہاراج! اور پردھان منتری کے حصّے کا بوجھ اور کوئی نہیں اُٹھا سکتا۔

شاستری : لیکن میں نے کوئی فیصلہ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ شری پاٹل جی، شری سبرامنیم جی اور شری کرشنم اچاری جی بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنھوں نے پاکستان کے خلاف جنگ لڑنے کی مخالفت کی تھی، چون جی اور نندہ جی کا جوش و خروش تو مجھ سے بھی زیادہ تھا۔

کرشنم اچاری : چون جی اور نندہ جی کا جوش و خروش صرف اس پاکستان کے خلاف تھا جسے آپ ایک اور حیدر آباد سمجھتے تھے ـــــ لیکن

شاستری : لیکن کیا؟

کرشنم اچاری : پاکستان نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ حیدر آباد یا جونا گڑھ

نہیں۔

چون : میں بزدل نہیں ـــــ میرے بزرگوں نے پانی پت ـــــ

شاستری : (میز پر زور سے ہاتھ مار کر کرسی سے اُٹھتے ہوئے) چون جی! بھگوان کے لیئے پانی پت کا ذکر نہ کیجئے۔

کرشنم اچاری : اگر آپ بزدل نہیں ہیں تو شاستری کو یہ تسلی کیوں نہیں دیتے کہ جب بُرا وقت آئے گا تو آپ اُن کے ساتھ ہوں گے۔

چون : آپ کا مطلب ہے کہ بُرا وقت ضرور آئے گا۔ اور میرے لیئے یہی ایک کام رہ گیا ہے کہ میں پردھان منتری جی کے ساتھ اُلٹا لٹکنے کے لیئے تیار رہوں۔

کرشنم اچاری : آپ بھارت کے رکھشا منتری ہیں اور بھارت کے عوام کو یہ معلوم ہے جنگ کے لیئے آپ کا جوش پردھان منتری سے کم نہ تھا اور آپ کے بعد نندہ جی کا نمبر آتا ہے۔

نندہ : (ملتجی نگاہوں سے شاستری کی طرف دیکھتے ہوئے) مہاراج! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسی باتوں سے میرا مورال خراب نہیں ہو سکتا لیکن فرض کیجیئے کہ اچاری جی کے منحوس خیالات کسی دن درست ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور آپ ہٹلر کی طرح اپنی مرضی سے جل مرنے یا اپنی مرضی کے خلاف مسولینی کی طرح الٹا لٹکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو آپ کیا کریں گے۔ یعنی میرا مطلب ہے کہ جب عوام آپ سے پوچھیں گے کہ آپ کی آخری خواہش کیا ہے تو آپ یہ تو نہیں کہیں گے کہ میں اپنے فلاں فلاں ساتھی کو ساتھ لے جانا

چاہتا ہوں۔

شاستری: کہاں جانے کے لئے؟

نندہ: پرلوک جانے کے لئے مہاراج!

شاستری: جب انسان پر بُرا وقت آتا ہے تو اُس کے منہ سے اچھی باتیں نہیں نکلتیں۔

نندہ: لیکن مہاراج! آپ عام انسان نہیں ہیں۔ آپ بھارت کے پردھان منتری ہیں۔ آپ ہٹلر، نپولین اور ونسٹن چرچل ہیں۔

شاستری: نندہ جی! تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ جب لوگ مجھے پرلوک کا راستہ دکھائیں گے تو میں تنکو بن جاؤں گا۔ میں ان سے یہ کہوں گا کہ بھارت کی تباہی کا ذمہ دار تمہارا تنکو نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے تنکو کو ہٹلر اور نپولین بننے پر مجبور کر دیا تھا۔

نندہ: یعنی آپ ہم سب کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں گے۔

شاستری: مجھے کوشش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر مجھے اس بات کی سزا دی گئی کہ میں نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنا دیا تھا اور یہ اٹوٹ انگ بھارت ماتا کے سینے کا ناسُور بن گیا تھا تو آپ کو اس بات کی سزا دی جائے گی کہ آپ سب بھارت کا اٹوٹ انگ ہیں۔

پاٹل: ہم وزارت کا اٹوٹ انگ بننے سے اِنکار کر دیں گے۔ لیکن ہٹلر اور مسولینی کے ساتھیوں کی طرح پرلوک جانا پسند نہیں کریں گے۔

اندرا گاندھی: شاستری جی! حوصلے سے کام لیجئے۔ آپ کو یاد ہے کہ میرے پتا جی

ہر وقت پرلوک جانے کے لئے تیار رہتے تھے۔

شاستری: آپ کے پتا جی پرلوک کو بھی سری نگر اور نینی تال سمجھتے ہوں گے۔ لیکن مجھے دہلی زیادہ پسند ہے۔

کرشنم اچاری: دہلی آپ کو اس لئے پسند ہے کہ ابھی ننگے اور بھوکے لوگوں کے جلوس نکلنے شروع نہیں ہوئے اور اس اُمید پر جی رہے ہیں کہ امریکہ کے کسان اگر ہمت سے کام کریں تو اُن کی ضرورت کے مطابق غلّہ پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن جب امریکہ کے کسان تھک جائیں گے اور یہاں چاروں طرف ہائے روٹی ہائے دھوتی کے نعرے سنائی دیں گے تو آپ کے لئے دہلی کی آب و ہوا اس قدر خوشگوار نہیں رہے گی۔

شاستری: جب ایسا وقت آئے گا تو دہلی کی آب و ہوا ہم میں سے کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوگی لیکن میں تنہا پرلوک نہیں جاؤں گا۔

مول چند: ہم آپ کو پرلوک نہیں بھیجنا چاہتے شاستری جی! لیکن ہمیں یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ بھارت کا ہاتھی اس مہیب دلدل سے کیسے نکل سکتا ہے؟

چون: سیٹھ جی! آپ ہاتھی کے سوا اور کوئی اچھا لفظ استعمال نہیں کر سکتے؟

دھنی رام: آپ ہاتھی کو گئو ماتا کہہ سکتے ہیں لیکن بھگوان کے لئے وقت ضائع نہ کیجئے ـــــ بدیشی ملکوں کے کسان زیادہ دیر ہمارے لئے غلّہ پیدا نہیں کریں گے۔

شاستری: آپ کیا چاہتے ہیں؟

پاٹل: ہم صرف زندہ رہنا چاہتے ہیں مہاراج! اور ہماری طرح بھارت کے عوام بھی زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور زندہ رہنے کے لئے ہم سب کو امن کی ضرورت ہے، جنگ کی ضرورت نہیں۔ شری راج گوپال اچاری جی یہ کہا کرتے ہیں کہ بھارت بھارتیوں کا ہے۔ پاکستان پاکستانیوں کا ہے اور کشمیر کشمیریوں کا۔

شاستری: لیکن راج گوپال اچاری مشرقی پنجاب کے سکھوں، جنوبی ہندوستان کے دراوڑوں اور ناگالینڈ کے باشندوں کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

پاٹل: اُن کے متعلق بھی وہ یہ کہتے ہیں اگر دہلی کی حکومت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اُن کے مطالبات ماننے پڑیں گے۔

شاستری: پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا؟

کرشنم اچاری: آپ کے پاس وہ عوام رہ جائیں گے جو خوشی سے گنگا اور جمنا کے پوتر پانی میں اشنان کرنے والے مہاجنوں کے لئے باربرداری کے جانوروں کا کام دیں گے۔ جنہیں آپ ہفتے میں دو دن بھوکا رکھنے کی بجائے پیدائش سے لے کر موت تک بھوکا رکھ سکیں گے۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچئے مہاراج ورنہ چند دنوں، چند ہفتوں یا چند مہینوں کے بعد آپ کے لئے پرلوک سدھارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

اندرا گاندھی: آپ کا مطلب ہے کہ ہم سب کے لئے پرلوک سدھارنے کے سوا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

کرشنم اچاری: آپ یہی سمجھ لیجئے لیکن جلدی کیجئے۔ ابھی بھارت کے ہاتھی کی سُونڈ

دلدل سے باہر ہے۔

شاستری: میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ اطمینان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اب یہ میٹنگ برخاست ہونی چاہیئے۔ میں تھک گیا ہوں اور مجھے سوچنے سے پہلے آرام کی ضرورت ہے۔

(حاضرین اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں)

سبرامنیم: مہاراج! جلدی آرام کیجئے اور جلدی سوچئے۔ ورنہ گندم کے بھاؤ بڑی تیزی سے چڑھ رہے ہیں۔

(حاضرین یکے بعد دیگرے شاستری کو پرنام کرنے کے بعد باہر نکل جاتے ہیں لیکن چون وہیں کھڑا رہتا ہے۔ نندہ دروازے سے نکلتے ہوئے مڑ کر دیکھتا ہے اور رُک جاتا ہے)۔

نندہ: آئیے چون جی!

چون: آپ جائیں میں ابھی آتا ہوں۔ (نندہ باہر نکل جاتا ہے۔ پردھان منتری کا سیکرٹری برابر کے کمرے میں چلا جاتا ہے (وقفہ)

شاستری: (چون سے) چون جی! نندہ جی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم علیحدگی میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اُنہیں بھی روک لیتے تو بہتر ہوتا۔

چون: اگر وہ رُک جاتے تو ہمارے دوسرے ساتھی پریشان ہوتے۔ میں نندہ جی کا شک دُور کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں تھوڑی دیر تک اگر وہ یہاں واپس نہ آگئے تو میرے گھر پہنچ جائیں گے۔ میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ ابھی

امن کی باتیں کرنے کا وقت نہیں آیا۔ ہم عوام کو اتنا بھڑکا چکے ہیں، وہ جنگ کے سوا اور کوئی نعرہ سننا پسند نہیں کریں گے۔

شاستری: مجھے معلوم ہے چون جی! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں دنیا بھر کے عوام کے سامنے امن کے حق میں تقریریں کر سکتا ہوں۔ لیکن بھارت کے عوام کے سامنے کھڑا ہو کر ایسی حماقت نہیں کر سکتا۔ لیکن بھگوان کے لئے آپ فوج کے بہادرانہ کارناموں کے متعلق بیان دینا بند کر دیں۔ اور اپنے جرنیلوں کو بھی یہ سمجھائیں کہ وہ بھی تھوڑی بہت شرم محسوس کیا کریں۔

چون: آپ فوج کی حوصلہ افزائی ضروری نہیں سمجھتے؟

شاستری: ہمارے لئے فوج کو خوش رکھنا ایک مجبوری ہے۔ لیکن اگر اسی طرح لوگوں کو اس کی بہادری کی من گھڑت کہانیاں سنائی گئیں تو وہ یہ پوچھیں گے کہ ہم نے جنگ بند کیوں کی تھی۔ اور ایسی بہادر فوج کو آگے بڑھنے سے روک کیوں دیا تھا۔

چون: ہم انہیں یہ سمجھا سکتے ہیں کہ ہماری فوجیں تو رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں لیکن حفاظتی کونسل نے ہمیں جنگ بندی پر مجبور کر دیا۔

شاستری: پھر وہ حفاظتی کونسل کا سیاپا کریں گے۔ اور ہم سے مطالبہ کریں گے کہ ہم اقوام متحدہ سے علیحدہ ہو کر جنگ شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمیں جنگ شروع کرنی پڑے گی اور جنگ شروع کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جب ہمارے ٹینک پھر ایک بار پورس کے ہاتھی ثابت ہوں گے اور پاکستان کا

ایک ایک ہوا باز ہمارے پانچ پانچ ہوائی جہاز گرائے گا تو دنیا کے کسی ملک کو ہمارے حال سے دلچسپی نہیں ہو گی۔

چون: مہاراج میں پورس نہیں ہوں، میں راجہ بھی نہیں ہوں، میں صرف بھارت کا رکھشا منتری ہوں۔ بھگوان کے لئے مجھے طعنے نہ دیجئے۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔

شاستری: میں صرف یہ جانتا ہوں کہ جب بھارت کے عوام کو چاروں طرف سے تباہی نظر آئے گی تو آپ ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دیں گے۔ نندہ جی کے متعلق بھی مجھے یقین ہے کہ جب سیاپا کرنے والوں کا پہلا جلوس میرے گھر کا رخ کرے گا تو وہ سب سے آگے ہوں گے۔

چون: نہیں نہیں مہاراج! یوں نہ کہئے۔ میں آپ کو وچن دیتا ہوں کہ میں اپنے حصے کی گالیاں خوشی سے برداشت کروں گا اور میں نندہ جی سے بھی کہوں گا کہ وہ بھی اپنے حصے کی گالیاں خوشی سے برداشت کریں۔

شاستری: اور اس سے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟

چون: گالیاں تقسیم ہو جائیں گی مہاراج!

(نندہ کمرے میں داخل ہوتا ہے)

نندہ: چون جی! میں باہر آپ کا انتظار کر رہا تھا۔

چون: اور وہ بھی باہر کھڑے ہیں؟

نندہ: نہیں وہ جا چکے ہیں۔

چون: نندہ جی! پردھان منتری کو اس بات کا شک ہے کہ اگر بھارت کے

عوام بگڑ گئے تو آپ اُن سے جا ملیں گے۔ اور میں اُنہیں تسلی دے رہا تھا کہ
آپ مرتے دم تک اُن کا ساتھ دیں گے۔

نندہ : لیکن کیا ہمارے لئے موت ضروری ہے؟

چون : میں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے لئے موت ضروری ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ
رہا تھا کہ ہم کسی حالت میں بھی اپنے پردھان منتری کا ساتھ چھوڑنا پسند
نہیں کریں گے۔

شاستری : شاید آپ کو معلوم ہے کہ جب عوام بگڑ جائیں گے تو میں پردھان منتری
نہیں رہوں گا۔

نندہ : مہاراج! ہم عوام کو اس حد تک بگڑنے نہیں دیں گے۔

شاستری : آپ کیا کریں گے؟

نندہ : مہاراج! ہم اُن کی توجہ کشمیر کی طرف مبذول رکھیں گے۔ یعنی ہم بار بار
یہی کہتے رہیں گے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ کشمیر میں آزادی
کے نعرے لگانے والے بھارت کے دشمن ہیں۔ اور بھارت کی حکومت
اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی شری رادھا کرشنن جی
امن کے حق میں تقریریں بھی کرتے رہیں گے۔

شاستری : امن کے حق میں بھی تقریریں کر سکتا ہوں۔

نندہ : مہاراج! میں یہ نہیں کہتا کہ آپ امن کے حق میں تقریریں نہیں کر
سکتے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ جب آپ امن کے حق میں تقریریں کریں گے تو
دنیا یہ کہے گی کہ اگر آپ امن کے حامی ہیں تو بھارت نے کشمیر پر زبردستی

قبضہ کیوں کر رکھا ہے۔ پھر آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کشمیر پر بھارت
نے زبردستی قبضہ نہیں کیا بلکہ کشمیر کے عوام کی تائید و حمایت پر اُسے بھارت
کا اٹوٹ انگ بنا دیا ہے۔ پھر یہ بحث چھڑ جائے گی کہ اگر کشمیر کے عوام بھارت
کے ساتھ ہیں تو ہم رائے شماری سے کیوں ڈرتے ہیں۔

شاستری : میں ایسے سوالات کا جواب دینے کی بجائے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس
لوں گا اور اگر مجھے زیادہ مجبور کیا گیا تو میں یہ کہوں گا کہ کشمیر کا مسئلہ بھارت کا
داخلی مسئلہ ہے اور بھارت اپنے داخلی مسائل پر کوئی بات کرنے کے لئے
تیار نہیں۔ میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کی طرح صرف اپنی امن پسندی کا
ڈھنڈورا نہیں پیٹوں گا بلکہ امن کے علاوہ بھارت کی داخلی خود مختاری کے
نعرے بھی لگاتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ بدیشی ملک یہ ماننے پر مجبور ہو جائیں گے
کہ امن کے لئے بھارت کی داخلی خود مختاری کا احترام ضروری ہے۔ اور
بھارت کی داخلی خود مختاری کے لئے یہ ضروری ہے کہ کشمیر کے چالیس لاکھ
انسانوں پر بھارت کے چالیس کروڑ انسانوں کی حکمرانی تسلیم کر لی
جائے۔

نندہ : مہاراج! آپ اس بحث میں نہ پڑیں۔ دنیا کو یہ معلوم ہے کہ کشمیر کے
چالیس لاکھ انسان بھارت کے خلاف بغاوت کر چکے ہیں۔ دنیا کو یہ بھی
معلوم ہے کہ پاکستان کے دس کروڑ انسان ہر قیمت پر کشمیر کو بھارت کے
قبضہ سے نجات دلانے کا عہد کر چکے ہیں اور گزشتہ جنگ میں دنیا یہ
بھی دیکھ چکی ہے کہ پاکستان صرف بھارت سے ٹکر ہی نہیں لے سکتا بلکہ

اس کی پٹائی بھی کر سکتا ہے۔ اگر گزشتہ جنگ میں ہم بدیشی ملکوں پر بھارت کی طاقت کا رعب بٹھا دیتے۔ یعنی اگر ہم صرف مرنے مارنے والے ہوتے اور ہمارا مقابلہ صرف مار کھانے والوں سے ہوتا تو دنیا یہ جاننے کی بھی ضرورت محسوس نہ کرتی کہ جنگ کہاں ہو رہی ہے اور کیوں ہو رہی ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی سے اب سات سمندر پار کے لوگ بھی بھارت کے چالیس کروڑ انسانوں کی بجائے اُن دس کروڑ انسانوں کو دیکھ رہے ہیں جو مرنا اور مارنا جانتے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ حالت ہے کہ اگر کشمیر کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بھی ہماری سینا باغیوں پر گولی چلاتی ہے تو دنیا بھر کے اخبارات میں خبریں شائع ہو جاتی ہیں۔ اس جنگ نے ہمیں تنگ کر دیا ہے مہاراج!

شاستری: پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

نندہ: میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا مہاراج! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جنوب مشرقی ایشیا ہی نہیں بلکہ پورے ایشیا اور پورے افریقہ پر بھارت کا قبضہ ہو۔ جن ملکوں کے پاس زرخیز زمینیں ہیں وہ ہمارے بھوکے عوام کے لئے اناج پیدا کریں اور جن کے پاس زیادہ لوہا ہے، اُن کے مزدور ہمارے لئے اسلحہ تیار کریں۔ بحرِ ہند کا پانی پٹرول بن جائے۔ ہمالہ کے پتھر بم بن جائیں۔ میں ہمیشہ کشمیر کے سیب اور قصوری میتھی کھانا چاہتا تھا۔ لیکن اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بھارت کے بھوکے اور ننگے عوام کے جلوس میرے گھر کا رخ نہ کریں۔ میں زندہ رہنا چاہتا ہوں مہاراج!

چون: لیکن کل تک آپ کے خیالات کچھ اور تھے۔

نندہ: کل تک ہم سب کے خیالات کچھ اور تھے۔

چون: نندہ جی! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا آپ نے جن سنگھ اور سیوک سنگھ کے جتھے کشمیر روانہ کرنے کا ذمہ نہیں لیا؟

نندہ: اگر میں انہیں کشمیر کا راستہ نہ دکھاؤں تو کیا وہ دہلی میں جمع ہو کر میرا، مجھ سے زیادہ آپ کا اور آپ سے زیادہ پردھان منتری کا سیاپا نہیں کریں گے؟

چون: مجھے یقین ہے کہ پاٹل اور سبرامنیم نے آپ کا مورال ڈاؤن کر دیا ہے۔ ابھی انہوں نے باہر نکلتے ہی آپ کے کان میں کوئی نئی بات کہہ دی ہے اور آپ یہ بھول گئے ہیں کہ آپ نے صرف چند منٹ پہلے آخری دم تک شاستری جی کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

نندہ: سبرامنیم نے میرے کان میں یہ کہا ہے کہ تمہارا آخری وقت آ چکا ہے اور پاٹل جی یہ کہتے تھے کہ تمہیں اب بھارت ماتا کو پورس کے ہاتھیوں سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

چون: (غصے کی حالت میں میز پر مکا مارتے ہوئے) کاش پورس کے ہاتھی دوبارہ زندہ ہو کر دہلی پہنچ جائیں اور میں آپ کو دھکا دے کر اُن کے سامنے پھینک دوں۔

شاستری: چون جی! نندہ جی! بھگوان کے لئے ہوش سے کام لیجئے۔ یہاں لڑائی نہ کیجئے۔ میں یہ میٹنگ برخاست کرتا ہوں۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ مجھے ننگو کہہ لیجئے لیکن آپس میں جھگڑا نہ کیجئے۔

(شاستری اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے۔ نندہ غصّے کی حالت میں
چون کی طرف دیکھتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔ ایک ثانیہ بعد چون اس کی تقلید
کرتا ہے۔ وقفہ

(سیکرٹری ایک فائل اُٹھائے کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ اور پریشانی کی حالت
میں ادھر اُدھر دیکھتا ہے۔ شاستری برابر کے کمرے سے نمودار ہوتا ہے نڈھال
سا ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے سکرٹری کی طرف دیکھتا ہے اور پھر میز پر کہنیاں
رکھ کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا لیتا ہے)۔

سیکرٹری : (میز پر فائل رکھتے ہوئے) مہاراج! ڈاکٹر کو بُلاؤں ؟

شاستری : نہیں نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

سکرٹری : مہاراج! میں نے مرکزی وزارت خوراک اور صوبائی حکومتوں کی رپورٹوں
کا خلاصہ ٹائپ کروا دیا ہے اور نقشے میں انتہائی قحط زدہ علاقوں پر سرخ اور
معمولی قسم کے قحط والے علاقوں پر زرد پنسل سے نشان لگا دئیے ہیں۔ بعض
علاقوں کے متعلق صوبائی حکومتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہاں سخت قحط پڑیگا۔
اس لئے میں نے وہاں نیلی پنسل سے سوالیہ نشان لگا دئیے ہیں۔

شاستری : میں یہ فائل کل دیکھوں گا۔ اس وقت میں بہت تھک گیا ہوں اب
تمہیں بھی آرام کرنا چاہیئے۔ (سیکرٹری ہاتھ باندھ کر پرنام کرنے کے بعد
دروازے کی طرف مُڑتا ہے)۔

شاستری : ذرا ٹھہریئے! (سیکرٹری رُک جاتا ہے) تشریف رکھئے۔ (سیکرٹری
میز کے دوسرے کنارے بیٹھ جاتا ہے) تمہیں پانچ ستمبر کی گفتگو یاد ہے ؟

سیکرٹری : کس کی گفتگو مہاراج ؟

شاستری : میری اور تمہاری گفتگو۔

سیکرٹری : مہاراج! اگر آپ پوری گفتگو سننا چاہتے ہیں تو میں گھر سے اپنی ڈائری
منگوا لوں۔

شاستری : ڈائری منگوانے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ
اب میرے قد کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ؟

سیکرٹری : مہاراج آپ کا قد اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ جنگ سے انسان کے
دل اور دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ کبھی کبھی وزن بھی کم ہو جاتا ہے لیکن قد پر
کوئی اثر نہیں پڑتا۔

شاستری : معلوم ہوتا ہے کہ تم پانچ ستمبر کی گفتگو بالکل بھول گئے ہو۔ ہم نپولین
کے قد پر بحث کر رہے تھے اور تم نے یہ کہا تھا کہ ---- تمہیں یاد ہے تم
نے کیا کہا تھا ؟

سیکرٹری : مہاراج! میں آپ کا سیکرٹری ہوں اور میرا فرض صرف آپ کی باتیں
یاد رکھنا ہے۔ پھر بھی چند باتیں میرے ذہن میں رہ گئی ہیں۔ میں نے شاید
یہ کہا تھا کہ نپولین کا قد اتنا چھوٹا نہیں تھا جتنا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔
اور اُس زمانے کے کسی مورخ نے یورپ کے فاتح کا قد ناپنے کی جرأت
نہیں کی ہوگی۔

شاستری : (برہم ہو کر) مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس دن نپولین کے قد
متعلق تمہاری کیا رائے تھی۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم میرے متعلق کیا

کیا کہتے تھے ؟

سیکرٹری : آپ کے متعلق مہاراج ؟

شاستری : ہاں ہاں ! میرے متعلق ۔

سیکرٹری : مہاراج مجھے یقین ہے کہ میں نے بھارت کے پردھان منتری کے متعلق کوئی بُری رائے نہیں دی ہوگی ۔

شاستری : تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں ہمالہ سے اُونچا ہوں ؟

سیکرٹری : ہاں مہاراج مجھے یاد آگیا ۔ آپ نے یہ کہا تھا کہ عقل کا قد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اگر آپ کا قد آپ کی عقل کے مطابق ہوتا تو آپ ہمالہ سے زیادہ اُونچے ہوتے ۔

شاستری : اور تم نے یہ اس لئے محسوس کیا تھا کہ میں پاکستان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ۔ یعنی تمہارے نزدیک میرے بہت زیادہ عقلمند ہونے کا ثبوت یہی تھا کہ میں نے بھارت کے لئے تباہی کے دروازے کھول دئیے تھے ۔ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے بے وقوف بنا رہے تھے ۔

سیکرٹری : مہاراج آپ کو خوش رکھنا میرا فرض ہے ۔

شاستری : تمہارا مطلب ہے کہ اگر میں اپنے مکان کی چھت سے چھلانگ لگانے یا پاؤ بھر دھتورا کھانے کا ارادہ کروں تو بھی تم میری عقل کی تعریف کرو گے ۔

سیکرٹری : مہاراج جب میں آپ کو چھت سے کودنے یا دھتورا کھانے کے مُوڈ میں دیکھوں گا تو مجھے اپنی ذاتی رائے کے خلاف بھی آپ کی دانشمندی کی تعریف کرنی پڑے گی ۔ یہ ایک ناخوشگوار فرض ہے جو ہر سیکرٹری اور خاص طور پر ایسے

پردھان منتری کے سیکرٹری کو سرانجام دینا پڑتا ہے جسے نپولین اور ہٹلر بننے کا شوق ہو ۔ اگر آپ چھت پر سے کودنے کے شوق میں زخمی ہو جائیں اور دھتورا ہضم کرنے کی بجائے بے ہوش ہو جائیں اور اُس کے بعد جان بُوجھ کر زخمی یا بے ہوش ہونے میں بُرائی محسوس کریں تو مجھے بھی اپنی رائے تبدیل کرنی پڑے گی ۔ یعنی جب آپ یہ کہنے کے موڈ میں ہوں گے کہ بیس فٹ اُونچی چھت سے کُودنے میں ایک ٹانگ ، ایک بازو یا دو چار پسلیوں کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو میں آپ کی تائید میں یہ کہوں گا کہ ایسی چھلانگ سے بعض اوقات دونوں بازو ، دونوں ٹانگیں اور ساری پسلیاں بھی ٹوٹ جاتی ہیں اور جب آپ یہ فرمائیں گے کہ ایک ایک پاؤ ، ایک ایک چھٹانک یا ایک تولہ دھتورا کھانے کے بعد ایک انسان کو ایک مہینہ ہسپتال میں گزارنا پڑتا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ بعض لوگ دھتورے کی چند پتیاں کھا کر بھی شمشان بھومی پہنچ جاتے ہیں ۔

شاستری : لیکن تم یہ کہتے تھے کہ میری گرجدار آواز سُن کر تمہارا دل لرزتا ہے ۔

سیکرٹری : مہاراج اس دن آپ پاکستان کے دس کروڑ انسانوں کو مرعوب کرنے کے موڈ میں تھے اور آپ کو اس کے سوا کوئی اور بات سننا پسند نہ تھی کہ آپ بھارت کے ہٹلر ہیں ۔ اس لئے میرا فرض یہی تھا کہ میں سہم کر رہ جاؤں ۔ اُس دن اگر آپ دنیا کو تیاگ کر سنیاسی بننے کی خواہش ظاہر کرتے تو میں آپ کو ہٹلر یا مسولینی کی بجائے کسی بہت بڑے مہاتما کا جانشین ثابت کرنے کی کوشش کرتا ۔

شاستری : اچھا اب یہ بتاؤ کہ میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ؟

سیکرٹری : مہاراج اب مجھے آپ کے موڈ کا صحیح علم نہیں ۔

شاستری: تمہیں سب کچھ معلوم ہے لیکن تم سچی بات کہتے ہوئے ڈرتے ہو۔

سیکرٹری: مہاراج یہ میری مجبوری ہے۔

شاستری: کیسی مجبوری؟

سیکرٹری: مجھے سچی بات کہنے کی نہیں بلکہ ڈرنے کی تنخواہ ملتی ہے مہاراج!

شاستری: تم میرا حکم نہیں مانوگے؟

سیکرٹری: کیوں نہیں مانوں گا مہاراج! میرا ہرگز یہ ارادہ نہیں کہ میں ملازمت کی مدت پوری کرنے سے پہلے ریٹائر ہو جاؤں۔ پھر مجھے گندم اور چاول کے نرخ بھی معلوم ہیں۔

شاستری: تم اطمینان رکھو۔ میری زندگی میں تمہیں کوئی ریٹائر نہیں کر سکتا۔

سیکرٹری: لیکن مہاراج میں آپ کے بعد بھی ملازمت کرنا چاہتا ہوں۔

شاستری: (برہم ہو کر) میں کہتا ہوں کہ تمہاری ملازمت کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب اپنے دل کی بات کہو۔ یہ میرا حکم ہے۔

سیکرٹری: آپ کا حکم سر آنکھوں پر مہاراج! لیکن مجھے وچن دیجئے۔

شاستری: کیسا وچن؟

سیکرٹری: مہاراج مجھے یہ وچن دیجئے کہ دل کی بات کہنے پر آپ میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کریں گے جو شیخ عبداللہ کے ساتھ ہو رہا ہے۔

شاستری: تم شیخ عبداللہ کے حامی ہو؟

سیکرٹری: نہیں مہاراج! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب میں دل کی بات کہوں تو آپ کہیں میرے گھر کو بھی کھیم کرن یا فاضلکا کا محاذ نہ سمجھ لیں۔

شاستری: بھگوان کے لئے مجھے پریشان نہ کرو۔ میں تمہیں وچن دیتا ہوں۔

سیکرٹری: مہاراج میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آج آپ سچی بات سننے کے موڈ میں ہیں۔

شاستری: میرے موڈ کو گولی مارو جی! تم میرے سوال کا جواب دو۔

سیکرٹری: آپ کا سوال کیا ہے مہاراج؟

شاستری: کیا میرا قد ہمالیہ سے بڑا ہے؟

سیکرٹری: نہیں مہاراج!

شاستری: کیا میں نپولین ہوں؟

سیکرٹری: نہیں مہاراج!

شاستری: کیا میں ہٹلر ہوں؟

سیکرٹری: بالکل نہیں مہاراج!

شاستری: کیا میں ونسٹن چرچل ہوں؟

سیکرٹری: ہرگز نہیں مہاراج!

شاستری: تو پھر میں کیا ہوں؟

سیکرٹری: (پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے) آپ... مہاراج آپ... کچھ نہیں مہاراج!

شاستری: کیا؟ کیا میں کچھ نہیں ہوں؟

سیکرٹری: نہیں مہاراج! میرا مطلب یہ ہے کہ آپ بھارت کے پردھان منتری شری لال بہادر شاستری ہیں۔

شاستری: تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم اپنے دل کی بات نہیں کہہ رہے۔

سیکرٹری: آپ واقعی میرے دل کی بات سننے کے موڈ میں ہیں۔ یعنی اگر میں اپنے دل کی

بات کہہ دوں تو میرے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جو آپ ماسٹر تارا سنگھ کے ساتھ کر چکے ہیں۔

شاستری: (غضب ناک ہو کر اپنے بال نوچتے ہوئے) تارا سنگھ کے بچے! میرے ساتھ سیدھی بات کرو۔ میں تمہیں وچن دے چکا ہوں۔

سیکرٹری: مہاراج آپ .... معاف کیجئے میں صرف آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ .... راجہ پورس ہیں مہاراج!

شاستری: (غصے سے کانپتے ہوئے بلند آواز میں) پورس؟

سیکرٹری: (سہمی ہوئی آواز میں) راجہ پورس مہاراج! (شاستری ایک کھوکھلی ہنسی ہنستا ہے اور اس کا قہقہہ جو مسرت کی بجائے وحشت اور کرب کا غماز ہے بتدریج بلند ہونے لگتا ہے) مہاراج! بھگوان کے لئے ہنسنے کی کوشش نہ کیجئے مجھے خوف محسوس ہوتا ہے۔ مہاراج! بھگوان کے لئے حوصلے سے کام لیجئے۔ اگر آپ کو اپنا وچن بھول گیا ہے تو مجھے گالیاں دے لیجئے۔ مجھے پورس کا بچہ کہہ لیجئے۔ میرا ہاتھ کاٹ لیجئے مہاراج! لیکن میری طرف اس طرح نہ دیکھئے جس طرح پورس کے بدحواس ہاتھیوں نے پورس کے سپاہیوں کی طرف دیکھا تھا۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ آپ راجہ پورس نہیں ہیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا۔

(شاستری کے قہقہے اچانک خاموش ہو جاتے ہیں۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سیکرٹری کی طرف دیکھتا ہے۔ اور پھر آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتا ہے۔)

اردو زبان و ادب کی صنف نگاری میں نسیم حجازی نے جو مقام پیدا کیا ہے' اس میں شاید ہی کوئی دوسرا ان کا ہمسر ہو۔ ان کی کتابیں فن کے اعتبار سے اپنے انداز میں وہ تمام خوبیاں رکھتی ہیں جو کسی ناول میں ہونی چاہئیں۔ ان میں دلچسپی کے وہ سارے پہلو بخوبی موجود ہوتے ہیں جن کی خاطر نوجوان اور عام ناظرین خشک علمی مباحث کی بہ نسبت قصوں' کہانیوں اور افسانوی ادب کا مطالعہ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان سب خوبیوں کے ساتھ وہ کوئی ناول محض تفریح طبع کا سامان بہم پہنچانے کے لیے نہیں لکھتے بلکہ ان کی اس مقبول عام صنف کو مسلمانوں میں اسلام اور اس کے اقدار سے گہرا لگاؤ' اس کی سربلندی کے لیے مجاہدانہ روح اس کی علمبرداری کے لیے اعلیٰ درجے کے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے اسلامی تاریخ کے اہم اور سبق آموز واقعات کو اپنے مقصد کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ تبلیغ ایسے انداز سے کی ہے کہ پڑھنے والا خود اس سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے۔ کہیں یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ ناول نہیں بلکہ کوئی درسِ تبلیغ پڑھ رہا ہے۔

میرے نزدیک نسیم صاحب نے یہ کتابیں لکھ کر ملت کی ایک بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ہمارے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونی چاہیے۔ محض عشق و محبت کے افسانے یا گمراہ کن نظریات پھیلانے والے ناول پڑھنے کے بجائے اگر لوگ ان کتابوں کو پڑھیں تو ان کو ایک درس بھی ملے گا اور وہ دلچسپی بھی حاصل ہوگی جس کے لیے ناول پڑھتے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی